

معاملات میں آنحضورؐ نے اپنی رائے کے طور پر بیان فرماتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ حضورؐ کی شخصی حیثیت اور پیغمبرانہ حیثیت میں فرق کر کے یہ فیصلہ آخر کون کریگا اور کیسے کریگا کہ آپ کے افعال و اقوال میں سے سنت واجب الاتباع کیا چیز ہے اور محض ذاتی و شخصی کیا چیز؟ ظاہر ہے کہ ہم بطور خود یہ تفریق و تحدید کر لینے کے مجاز نہیں ہیں۔ یہ فرق دو ہی طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ یا تو حضورؐ نے اپنے کسی قول و فعل کے متعلق خود تصریح فرمادی ہو کہ وہ ذاتی و شخصی حیثیت میں ہے۔ یا پھر جو اصول شریعت آنحضورؐ کی دی ہوئی تعلیمات سے مستنبط ہوتے ہیں ان کی روشنی میں محتاط اہل علم یہ تحقیق کریں کہ آپ کے افعال و اقوال میں سے کس نوعیت کے افعال و اقوال آپ کی پیغمبرانہ حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کس نوعیت کی باتوں اور کاموں کو شخصی و ذاتی قرار دیا جاسکتا ہے اس مسئلے پر زیادہ تفصیلی بحث میں اپنے ایک مضمون میں کر چکا ہوں جس کا عنوان ہے ”رسول کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی“ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۷۱ء)

قرآن سے زائد ہونا اور قرآن کے خلاف ہونا ہم معنی نہیں ہے۔ | احکام و اصول کی شارح اس معنی میں ہے کہ وہ قرآن کے علاوہ دین کے اصول یا احکام تجویز نہیں کرتی؟ اگر آپ اس کے بجائے ”قرآن کے خلاف“ کا لفظ استعمال کرتے تو نہ صرف میں آپ سے اتفاق کرتا بلکہ تمام فقہاء و محدثین امت اس سے متفق ہوتے لیکن آپ قرآن کے علاوہ کا لفظ استعمال کر رہے ہیں جس کے معنی قرآن سے زائد ہی کے ہو سکتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ”زائد“ ہونے اور ”خلاف“ ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

لے واضح رہے کہ کسی حدیث کو قرآن کے خلاف اسی صورت میں قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ قرآن ایک کام کا حکم دے اور حدیث اس سے منع کرے۔ یا اس کے برعکس قرآن ایک چیز سے منع کرے اور حدیث اس کا حکم دے۔ لیکن اگر حدیث قرآن کے کسی محکم حکم کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ یا اس پر عمل درآمد کی شکل بتاتی اور اس کا منشا واضح کرتی ہے تو یہ قرآن کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن کے زائد ہے۔

سنت اگر قرآن سے زائد کوئی چیز نہ بتائے تو آپ خود سوچیں کہ اس کی ضرورت کیا ہے۔ اس کی ضرورت تو اسی یہ ہے کہ وہ قرآن کا وہ منشا واضح کرتی ہے جو خود قرآن میں صراحتاً مذکور نہیں ہوتا۔ مثلاً قرآن "اقامت صلوٰۃ" کا حکم دیکر رہ جاتا ہے۔ یہ بات قرآن نہیں بتاتا بلکہ سنت بتاتی ہے کہ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے اور اس کی اقامت کا کیا مطلب ہے۔ اس غرض کے لیے سنت ہی نے مساجد کی تعمیر، پنجوقتہ اذان اور نماز باجماعت کا طریقہ، نماز کے اوقات، نماز کی بیعت، اس کی رکعتیں، اور جمعہ و عیدین کی مخصوص نمازیں اور ان کی عملی صورت، اور دوسری بہت سی تفصیلات ہم کو بتائی ہیں۔ یہ سب کچھ قرآن سے زائد ہے، مگر اس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح تمام شعبہ ہائے زندگی میں سنت نے قرآن کے منشا کے مطابق انسانی سیرت و کردار اور اسلامی تہذیب و تمدن و ریاست کی جو صورت گری کی ہے وہ قرآن سے اس قدر زائد ہے کہ قرآنی احکام کے دائرے سے سنت کی ہدایات کا دائرہ بدرجہا زیادہ وسیع ہو گیا ہے لیکن اس میں کوئی چیز قرآن کے خلاف نہیں ہے، اور جو چیز بھی واقعی قرآن کے خلاف ہو اسے فقہاء و محدثین میں سے کوئی بھی سنت رسول اللہ نہیں مانتا۔

کیا سنت قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کر سکتی ہے؟ اسی سلسلے میں آپ نے ایک اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ "نہ سنت قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کر سکتی ہے" یہ بات آپ نے ایک غلط فہمی کے تحت لکھی ہے جسے صاف کرنا ضروری ہے۔ فقہائے حنفیہ جس چیز کو "نسخ الکتاب بالسنۃ" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اس سے مراد اصل قرآن کے کسی حکم کو مخصوص (QUALIFY) کرنا اور اس کے ایسے مدعا کو بیان (EXPLAIN) کرنا ہے جو اس کے الفاظ سے ظاہر نہ ہوتا ہو۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں والدین اور اقربین کے لیے وصیت کا حکم دیا گیا تھا (آیت ۱۸۰)۔ پھر سورۃ نسا میں تقسیم میراث کے احکام نازل ہوئے اور فرمایا گیا کہ یہ حصے متوفی کی وصیت پوری کرنے کے بعد نکالے جائیں (آیات ۱۱-۱۲)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یہ فرمادی کہ لا وصیۃ لوارث یعنی اب وصیت کے بعد کسی وصیت کے حصے میں کمی بیشی نہیں کی

جاسکتی۔ کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے حصے خود مقرر فرمادیئے ہیں۔ ان حصوں میں اگر کوئی شخص وصیت کے ذریعہ سے کمی بیشی کریگا تو قرآن کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس طرح اس سنت نے وصیت کی اجازت عام کو جو بنیاد پر قرآن کی ان آیتوں سے مترشح ہوتی تھی بغیر وارث مستحقین کے لیے خاص کر دیا، اور یہ بتا دیا کہ شرعاً جو حصے وارثوں کے لیے مقرر کر دیئے گئے ہیں ان میں کمی بیشی کرنے کے لیے وصیت کی اس اجازت عام سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اسی طرح قرآن کی آیت وضو (امائدہ ۵-۶) میں پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا تھا جس میں کسی سات کی تخصیص نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی الخفین پر عمل کر کے اور اس کی اجازت دے کر واضح فرما دیا کہ یہ حکم اُس حالت کے لیے ہے جبکہ آدمی موزے پہنے ہوئے نہ ہو، اور موزے پہننے کی صورت میں پاؤں دھونے کے بجائے مسح کرنے سے حکم کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ اس چیز کو خواہ نسخ کہا جائے، یا تخصیص، یا بیان، اس سے مراد یہی ہے، اور یہ اپنی جگہ باطل صحیح اور معقول چیز ہے۔ اس پر اعتراض کرنے کا آخر اُن لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے جو غیر نبی ہونے کے باوجود قرآن کے بعض صریح احکام کو محض اپنے ذاتی نظریات کی بنیاد پر عبوری دور کے احکام قرار دیتے ہیں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ عبوری دور جب ان کی رائے نامبارک میں گزر جاتے گا تو قرآن کے وہ احکام منسوخ ہو جائیں گے۔

**نکتہ دوم** | دوسرا نکتہ جو آپ نے میرے ان مضامین سے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے :

”آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس میں سنت رسول اللہ (تیمم

و کمال درج ہو اور جس کا متن قرآن کے متن کی طرح تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔“

یہ خلاصہ جو آپ نے میرے مضامین سے نکالا ہے اس کے متعلق میں بس اتنا ہی عرض کر دینگا

۱۔ جناب پر ویز صاحب قرآن مجید کے قانون وراثت اور ان تمام احکام کو جن سے صریحاً شخصی ملکیت کا جواز

ثابت ہوتا ہے، عبوری دور کے احکام قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کے یہ تمام احکام اُس وقت منسوخ ہو

کہ اپنے خیالات میں نگوں رہنے والے اور معقول بات سمجھنے سے انکار کرنے والے لوگ دوسروں کے غلام سے ایسے ہی خلاصے نکالا کرتے ہیں۔ ابھی ابھی آپ کے پہلے عنایت نامہ پر بحث کرتے ہوئے سوال نمبر ۲ پر جو کچھ میں لکھ چکا ہوں اسے پٹ کر پھر پڑھ لیجیے۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کیا کہا ہے اور آپ نے اس کا خلاصہ کیا نکالا ہے۔

نکتہ سوم | آپ کا اخذ کردہ تیسرا نکتہ یہ ہے :

”آپ نے فرمایا ہے کہ احادیث کے موجودہ مجموعوں سے صحیح احادیث کو الگ کیا جائے گا۔ اس کے لیے روایات کو جانچنے کے جو اصول پہلے سے مقرر ہیں وہ حرب آخر نہیں۔ اصول روایات کے علاوہ درایت سے بھی کام لیا جائے گا۔ اور درایت انہی لوگوں کی معتبر ہوگی جن میں علوم اسلامی کے مطالعہ سے ایک تجربہ کار جوہری کی بصیرت پیدا ہو چکی ہو۔“

احادیث کے پرکھنے میں یہ جن عبارتوں کا عجیب اور انتہائی مسخ شدہ خلاصہ آپ نے نکالا، روایت اور درایت کا استعمال انہیں میں لفظ بلفظ یہاں نقل کیے دیتا ہوں تاکہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہی اصل صورت میں سامنے آجائے اور اس کے من مانے خلاصوں کی حاجت نہ رہے:

”فن حدیث اسی تنقید (یعنی تاریخی تنقید) ہی کا دوسرا نام ہے پہلی صدی سے آج تک اس فن میں یہی تنقید ہوتی رہی ہے اور کوئی فقیہ یا محدث اس بات کا قائل نہیں رہا ہے کہ عبادات ہوں یا معاملات کسی مسئلے کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت دی جانے والی کسی روایت کو تاریخی تنقید کے بغیر حجت کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ یہ فن حقیقت میں اس تنقید کا بہترین نمونہ ہے اور جدید زمانے کی بہتر سے بہتر تاریخی تنقید کو بھی مشکل ہی سے اس پر کوئی انساف نہ و ترقی (IMPROVEMENT) کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ محدثین کے اصول تنقید اپنے اندر ایسی کمی رکھتے ہیں جن تک موجودہ دور کے

ناقدرین تاریخ کا ذہن بھی ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر میں بلا خوف تردید یہ کہوں گا کہ دنیا میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت اور ان کے دور کی تاریخ کا ریکارڈ ہی ایسا ہے جو اس کڑی تنقید کے معیاروں پر کسا جانا برداشت کر سکتا تھا جو محدثین نے اختیار کی ہے۔ ورنہ آج تک دنیا کے کسی انسان اور کسی دور کی تاریخ بھی ایسے ذرائع سے محفوظ نہیں رہی ہے کہ ان سخت معیاروں کے آگے ٹھیر سکے اور اس کو قابل تسلیم تاریخی ریکارڈ مانا جاسکے۔۔۔ تاہم میں یہ کہوں گا کہ مزید اصلاح و ترقی کا دروازہ بند نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ روایات کو پرکھنے اور جانچنے کے جو اصول محدثین نے اختیار کیے ہیں وہ حتمی آخر ہیں۔ آج اگر کوئی ان کے اصول سے اچھی طرح واقفیت پیدا کرنے کے بعد ان میں کسی خامی یا کمی کی نشان دہی کرے اور زیادہ اطمینان بخش تنقید کے لیے کچھ اصول معقول دلائل کے ساتھ سامنے لاتے تو یقیناً اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ہم میں سے آخر کون نہ چاہے گا کہ کسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار دینے سے پہلے اس کے سنت ثابت ہونے کا تيق حاصل کر لیا جائے اور کوئی کچھ کی بات حضور کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔

احادیث کے پرکھنے میں روایت کے ساتھ درایت کا استعمال بھی، جس کا ذکر فاضل مکتوب نگار جسٹس ایس اے۔ رحمان نے کیا ہے، ایک متفق علیہ چیز ہے۔۔۔۔۔ البتہ اس سلسلے میں جو بات پیش نظر رہنی چاہیے، اور مجھے امید ہے کہ فاضل مکتوب نگار کو بھی اس سے اختلاف نہ ہو گا، وہ یہ ہے کہ درایت صرف انہی لوگوں کی معتبر ہو سکتی ہے جو قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کے مطالعہ و تحقیق میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کر چکے ہوں، جن میں ایک مدت کی مہارت نے ایک تجربہ کار جوہری کی سی بصیرت پیدا کی ہو اور جن کی عقل اسلامی

نظام فکر و عمل کے حدود و اربعہ سے باہر کے نظریات، اصول، اور اقدار لیکر اسلامی روایات کو ان کے معیار پر پرکھنے کا رجحان نہ رکھتی ہو۔ بلاشبہ عقل کے استعمال پر ہم کوئی پابندی نہیں لگا سکتے، نہ کسی کہنے والے کی زبان پکڑ سکتے ہیں لیکن بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ اسلامی علوم سے کورسے لوگ انٹری پن کے ساتھ کسی حدیث کو خوش آئند پا کر قبول، اور کسی کو اپنی مرضی کے خلاف پا کر رد کرنے لگیں۔ یا اسلام سے مختلف کسی دوسرے نظام فکر و عمل میں پرورش پائے ہوئے حضرات یکایک اٹھ کر انہی معیاروں کے لحاظ سے احادیث کے رد و قبول کا کاروبار پھیلا دیں، تو مسلم ملت میں نہ ان کی وراثت قبول ہو سکتی ہے اور نہ اس ملت کا اجتماعی ضمیر ایسے بے بنیاد عقلی فیصلوں پر کبھی مطمئن ہو سکتا ہے۔ اسلامی حدود میں تو اسلام ہی کی تربیت پائی ہوئی عقل اور اسلام کے مزاج سے ہم آہنگی رکھنے والی عقل ہی ٹھیک کام کر سکتی ہے۔ اجنبی رنگ و مزاج کی عقل یا غیر تربیت یافتہ عقل بجز اس کے کہ انٹار پھیلاتے کوئی تعمیری خدمت اس دائرے میں انجام نہیں دے سکتی۔

(ترجمان القرآن - دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۴۴-۱۴۵)

ان عبارات سے آپ خود ہی اپنے نکالے ہوئے خلاصے کا تقابلی فرمایاں۔ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ بات سمجھنے کی خواہش کا کتنا اچھا نمونہ آپ نے پیش فرمایا ہے۔

نکتہ چہارم | چونکہ نکتہ جو آپ نے خلاصے کے طور پر میرے مضامین سے نکالا ہے، یہ ہے:

”احادیث کے اس طرح پرکھنے کے بعد بھی یہ نہیں کہا جاسکے گا کہ یہ اسی طرح کلام رسول میں جس طرح قرآن کی آیات اللہ کا کلام۔“

یہ ایک اور بے نظیر نمونہ ہے جو مناظرہ بازی کے بجائے بات سمجھنے کی خواہش کا آپ نے پیش فرمایا ہے۔ جس عبارت کا یہ خلاصہ آپ نے نکالا ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں

”قرآن کے کسی حکم کی مختلف ممکن تعبیرات میں سے جس شخص یا ادارے یا عدالت

نئے تفسیر و تعبیر کے معروف علمی طریقے استعمال کرنے کے بعد بالآخر جس تعبیر کو حکم کا اصل منشا قرار دیا ہو، اس کے علم اور دائرہ کار کی حد تک وہی حکم خدا ہے، اگرچہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ حقیقت میں بھی وہی حکم خدا ہے۔ بالکل اسی طرح سنت کی تحقیق کے علمی ذرائع استعمال کر کے کسی مسئلے میں جو سنت بھی ایک فقہ، یا مجتہد یا عدالت کے نزدیک ثابت ہو جاتے، وہی اس کے لیے حکم رسول ہے، اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حقیقت میں رسول کا حکم وہی ہے۔

یہ عبارت اگرچہ میں پہلے نقل کر چکا تھا، لیکن تکرار کی قیامت کے باوجود میں نے اسے پھر نقل کیا ہے تاکہ آپ خود بھی اپنے جوہر (EXTRACT) نکالنے کے فن کی دانائی رکھیں۔ اور اس اخلاقی جسارت کی داد میں اپنی طرف سے آپ کو دیتا ہوں کہ میری عبارت کو میرے ہی سامنے نوٹر مڑ کر پیش کر کے اپنے واقعی کمال کو دکھایا ہے جس شخص نے اس طرح آپ کی بڑی قدر کرتا ہوں، اور ایسی باتوں کی آپ جیسے معقول انسان سے توقع نہ رکھتا تھا، مگر یہ شاید بزمِ طلوعِ اسلام کا فیض ہے کہ اس نے آپ کو بھی یہاں تک پہنچا دیا۔ اشاعت کا مطالبہ | آخری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ اپنے پہلے عنایت نامے کو آپ نے اس فقرے پر ختم فرمایا تھا:

”چونکہ آئین کے سلسلے میں عام لوگوں کے ذہن میں ایک پریشانی سی پائی

جاتی ہے اس لیے اگر عوام کی آگاہی کے لیے آپ کے موصولہ جواب کو شائع کر دیا

جاتے تو مجھے امید ہے کہ آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا“

میں اس کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعتراض ہونا تو درکنار میری دلی خواہش یہ ہے کہ آپ اس مراسلت کو جوں کاتوں شائع فرمادیں۔ میں خود اسے ”ترجمان القرآن“

میں شائع کر رہا ہوں۔ آپ بھی اس کو ”طلوعِ اسلام“ کی کسی قریبی اشاعت میں درج کرنے کا انتظام فرمائیں تاکہ دونوں طرف کے عوام اس سے آگاہ ہو کر پریشانی سے نجات پا سکیں

# منصب نبوت

## صحیح اور غلط تصور کا فرق

[صفحات گزشتہ میں سنت کی آئینی حیثیت کے متعلق ڈاکٹر عبدالودود صاحب اور مصنف کی جو مراسلت ناظرین کے ملاحظہ سے گزری ہے، اس کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کا ایک اور خط وصول ہوا، جسے ذیل میں مصنف کے جواب کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔]

## ڈاکٹر صاحب کا خط

مولانا محترم! السلام علیکم  
آپ کا خط مورخہ ۸ اگست ملا۔ مجھے امید ہے کہ اس کے بعد بات ذرا اطمینان سے ہو سکے گی۔ آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۶ جون میں میرے پہلے سوال کے جواب کے اختتام پر فرمایا تھا۔

”دوسرے سوالات چھترنے سے پہلے آپ کو یہ بات صاف کرنی چاہیے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنا دینے کے سوا دنیا میں کوئی کام کیا تھا یا نہیں، اور اگر کیا تھا تو کس حیثیت میں؟“  
نیر یہ بھی کہ:

”پہلے آپ یہ بات صاف کریں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی چیز ہے

یا نہیں؟ اور اس کو آپ قرآن کے ساتھ ماخذ قانون مانتے ہیں یا نہیں؟ اور نہیں مانتے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے موجودہ خط میں مسئلہ زیر بحث کے صرف اسی حصہ پر گفتگو کروں اور اس کے باقی اجزاء آئندہ کے لیے ملتوی کر دوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے اپنے اولین خط مورخہ ۲ مئی میں صاف طور پر یہ عرض کیا تھا کہ ”مجھے نہ تو سنت کی حقیقی اہمیت سے بحال انکار ہے اور نہ اس کی اہمیت کو ختم کرنا مقصود“

چنانچہ آپ کا یہ سوال کہ میرے نزدیک سنت رسول اللہ بجاۓ خود کوئی چیز ہے یا نہیں؟ غیر ضروری ہے۔ البتہ میرے نزدیک سنت کا مفہوم آپ کے مختلف ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ آیا میں سنت کو قرآن کے ساتھ ماخذ قانون مانتا ہوں یا نہیں؟ میرا جواب نفی میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ اجازت دیجئے کہ میں پہلے اس بات کو صاف کر لوں کہ آیا رسول اللہ نے قرآن سنا دینے کے سوا دنیا میں کوئی کام کیا تھا یا نہیں؟ اور اگر کیا تھا تو کس حیثیت میں؟ جب اس کا جواب سامنے آجائے گا تو دلیل خود بخود سامنے آجائگی۔ مجھے آپ کے سو فیصدی اتفاق ہے کہ حضور معلّم بھی تھے، حاکم بھی تھے، قاضی بھی تھے، سپہ سالار بھی۔ آپ نے افراد کی تربیت کی اور تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم جماعت کی شکل دی۔ اور پھر ایک ریاست قائم کی وغیرہ وغیرہ! لیکن اس بات پر آپ کے اتفاق نہیں کہ تیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں حضور نے جو کچھ کیا تھا یہ وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکم اعلیٰ کے قانون برتر کی تشکیل و تکمیل کرتی ہے۔ بے شک حضور نے حاکم اعلیٰ کے قانون کے مطابق معاشرہ کی تشکیل تو فرمائی لیکن یہ کہ کتاب اللہ کا قانون دعوٰی باللہ نامکمل تھا اور جو کچھ حضور نے عملاً کیا اس سے اس قانون کی تکمیل ہوتی میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ میرے نزدیک حی پانے کا سلسلہ نبی اکرم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ہو گا۔ رسالت کے فرائض جو حضور نے

سراخجام دیتے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضورؐ کے بعد بھی انہیں خطوط پر معاشرے کا قیام عمل میں لایا جاسکے اور یہ تسلسل قائم رہے۔ اگر حضورؐ نے مَا اَنْزَلَ اللّٰہ کو دوسروں تک پہنچایا تو امت کا بھی فریضہ ہے کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہ کو دوسروں تک پہنچائے، اگر حضورؐ نے مَا اَنْزَلَ اللّٰہ کے مطابق جماعت بنائی ریاست قائم کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا تو امت کا بھی فریضہ ہے کہ انہی خطوط پر عمل کرے اگر حضورؐ نے مَا اَنْزَلَ اللّٰہ کے مطابق معاملات کے فیصلے کیے تو امت بھی مَا اَنْزَلَ اللّٰہ کے مطابق فیصلے کرے۔ اگر حضورؐ نے شَاوِرْهُمْ فِی الْاُمُور کے مطابق امور سلطنت میں مشاورت سے کام کیا تو امت بھی ایسا ہی کرے۔ اگر حضورؐ نے نبوت کے تئیس سال غزوات میں گھوڑے کی پیٹھ پر گزارے تو امت بھی انہی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر جنگ کرے۔ چنانچہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہ کے مطابق تربیت، جماعت بندی، ریاست کا قیام، مشاورت، قضا، غزوات، یہ سارے کام امت کرے تو یہ سنت رسول اللہؐ ہی کی پیروی ہے۔ حضورؐ نے بھی اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مَا اَنْزَلَ اللّٰہ پر عمل کئے ہوئے معاشرے کی تشکیل کی۔ اس سنت رسول اللہؐ کی پیروی یہ ہے کہ ہر زمانے کی امت، زمانے کے تقاضوں کے مطابق مَا اَنْزَلَ اللّٰہ پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کی تشکیل کرے۔ موجودہ وقت میں ہم جو بھی طرز حکومت، حالات اور موجودہ تقاضوں کے مطابق مناسب سمجھیں عمل میں لائیں، لیکن مَا اَنْزَلَ اللّٰہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر یہی سنت رسول اللہؐ پر عمل ہوگا۔ اگر ہم ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر جو مَا اَنْزَلَ اللّٰہ نے متعین کیے ہیں جنگیں لڑیں تو یہی سنت رسول اللہؐ پر عمل ہوگا۔ لیکن اگر جیسا کہ ایک مقامی اخبار میں ایک مولوی صاحب نے گزشتہ ہفتہ لکھا تھا کہ حضرت عمرؓ کی فوج کو ایک قلعہ فتح کرنے میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ فوج کئی دن مسواک نہیں کی تھی، یا یہ کہ آج کے ایٹمی دور میں جنگ کے اندر تیروں کا استعمال ہی ضروری ہے کیونکہ حضورؐ نے جنگوں میں تیرا استعمال کیسے تھے تو اس سے بڑھ کر سنت رسول اللہؐ سے مذاق کیا ہو سکتا ہے۔ ان تمام اعمال میں جو حضورؐ نے تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں کیے وہ اسی



والے کا مقام بہت اُگے ہوتا ہے کیونکہ پیغام اس نے اس لیے پہنچایا کہ وحی اس کے سوا اور کسی کو ملتی نہیں۔ چنانچہ قرآن نے اسی لیے واضح کر دیا کہ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، چنانچہ حضور مرکزِ ملت بھی تھے۔ اور سنت رسول اللہ پر عمل یہی ہے کہ حضور کے بعد بھی اسی طرح مرکزیت کو قائم رکھا جائے۔ چنانچہ اسی نکتہ کو قرآن کریم نے اِنْ الْغَافِلِينَ وَاضَحَ كَرِیْمًا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا الرَّسُولُ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَلْقَلْبُ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ (۱۳۳) ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ اگر اس کا مقصد وعظ و نصیحت نہیں، اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ سنت رسول اللہ پر عمل کرتے ہوئے مرکزیت کے قیام کو مسلسل عمل میں لایا جائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس ضابطہ قانون پر چلانا حضور کا مقصد تھا اور آئندہ مرکزیت کا مقصد رہے گا۔ اس ضابطہ قانون کو نامکمل قرار دے دیا جائے۔ آپ کا اگلا سوال یہ ہے کہ جو کام حضور نے تین سالہ پیغمبرانہ زندگی میں سرانجام دیئے اُن میں آنحضرت کی پوزیشن کیا تھی؟ میرا جواب یہ ہے کہ حضور نے جو کچھ کر کے دکھایا وہ ایک بشر کی حیثیت سے لیکن مَا اَنْزَلَ اللَّهُ كَے مطابق کر کے دکھایا۔ میرا یہ جواب کہ حضور کے فرائض رسالت کی انجام دہی ایک بشر کی حیثیت سے تھی میرے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ خود کتاب اللہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے حضور نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ قرآن کی آیات سے واضح ہے کہ حضور نظامِ مملکت کی سرانجام دہی میں ایک بشر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی آنحضرت سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں قُلْ اِنْ صَلَّيْتُ فَاِنَّمَا اَصِلُّ عَلٰی نَفْسِيْ رَاٰ اِهْتَدَيْتُ فَيَمَّا يُوْحٰی اِلٰی رَبِّيْ اِنَّهُ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ (۱۳۴) اگر یہ اجتہادی غلطیاں ایسی ہوتیں جن کا اثر دین کے اہم گوشے پر پڑتا تو خدا کی طرف سے اس کی تادیب بھی آ جاتی جیسے کہ ایک جنگ کے موقع پر بعض لوگوں نے پیچھے رہنے کی اجازت چاہی اور حضور نے دے دی۔ اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی عَمَّا لَدُنَّكَ لِمَا اِذْنَتْ لَهُمْ حَتّٰی يَتَّبِعُوْا لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ اَلَا تَكُنْ بِبَيْنٍ (۱۳۵) اسی طرح سورہ تحریم میں تادیب آگئی يَاۡۤاَيُّهَا

النَّبِيُّ لَمْ يَحْزَمْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (۶۶) اسی طرح سورۃ عبس میں ہے۔ عَبَسَ ذَقْنِي أَنْ  
جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ وَمَا يُدِيرُكَ لَعَلَّهُ يَذَّكَّرُ أَوْ يُذَكَّرُ فَتَنَفَعَهُ الْذِّكْرُ مَا مِنْ اسْتَعْنَىٰ فَأَنْتَ  
لَهُ تَصَدَّىٰ وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَنْزَكِيَّ وَآمَأَمَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ وَهُوَ يَحْشَىٰ فَأَنْتَ عَنَّهُ تَلْعَفُ رَافِقَىٰ (۶۷)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ وحی کی روشنی میں امورِ سلطنت کی سرانجام دہی  
میں جزئی معاملات میں حضور سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں اور یہ اسی صورت میں  
ہو سکتا تھا کہ حضور ان امور کو ایک بشر کی حیثیت سے سرانجام دیتے تھے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا  
تو اس کے دو نتائج لازماً پیدا ہوتے۔ اولاً یہ تصور کہ چونکہ حضور نے جو کچھ کیا وہ ایک نبی کی  
حیثیت سے کیا اس لیے عام انسان اس کو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ آج بھی مایوسی کے عالم میں  
بعض جگہ یہ تصور پایا جاتا ہے کہ حضور نے جو معاشرہ قائم کیا تھا وہ عام انسانوں کے بس کا  
روگ نہیں۔ اور وہ دوبارہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تصور بجاتے خود سنت رسول اللہ کی پیروی  
کی نفی ہے۔ دوسرا نتیجہ اس کا یہ تصور ہو سکتا ہے کہ اس لیے حضور کے بعد نبیوں کے آنے کی  
ضرورت ہے تاکہ وہ پھر سے اس قسم کا معاشرہ قائم کر سکیں (چونکہ عام انسان ایسا نہیں کر سکتے)۔  
آپ خود سوچیں کہ یہ دونوں نتائج کس قدر خطرناک ہیں جو اس تصور کے نتیجہ کے طور پر ابھر کر  
سامنے آتے ہیں کہ حضور نے جو کچھ بھی کیا ایک نبی کی حیثیت سے کیا۔ ختم نبوت انسانیت  
کے سفرِ زندگی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے شخصیتوں کا دور ختم ہوتا  
ہے اور اصول و اقدار کا دور شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تصور کہ حضور نے جو کچھ کیا ایک نبی  
کی حیثیت سے کیا ختم نبوت کے اصول کی تردید کے مترادف ہے۔ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ  
..... (۱۱) جیسی واضح آیات کے بعد یہ کہنا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے  
کرتے تھے اور وحی کا سلسلہ حضور کی ذات کے ساتھ ختم ہو گیا، اس بات کا اعلان ہے  
کہ حضور کی وفات کے بعد دین کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا۔ حضراتِ خلفائے کرام اچھی طرح  
سمجھتے تھے کہ وحی "الکتاب" کے اندر محفوظ ہے اور اس کے بعد حضور جو کچھ کرتے تھے باہمی

مشاورت سے کرتے تھے۔ اس لیے حضور کی وفات کے بعد نظام میں کوئی تبدیلی واقعی نہیں ہوئی۔ سلطنت کی وسعت کے ساتھ تقاضے بڑھتے گئے اس لیے آئے دن نئے نئے امور سامنے آتے تھے جن کے تصفیہ کے لیے اگر کوئی پہلا فیصلہ مل جاتا جس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہوتی تو اسے علیٰ حالہ قائم رکھتے تھے۔ اگر اس میں تبدیلی کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے تبدیلی کر لیتے! اور اگر نئے فیصلے کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے نیا فیصلہ کر لیتے۔ یہ سب کچھ قرآن کی روشنی میں ہوتا تھا۔ یہی طریقہ رسول اللہ کا تھا۔ اور اسی کو حضور کے جانشینوں نے قائم رکھا۔ اسی کا نام اتباع سنت رسول اللہ ہے۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو اپنی طرف سے بھیجی ہوئی ایک قسم کی وحی پر رنمود باشندگی نہ ہوئی چنانچہ دوسری قسم کی وحی کا نزول شروع ہو گیا، یہ دور لگی وحی آخر کیوں؟ پہلے آنے والے نبیوں پر جب وحی نازل ہوتی تو اس میں نزول قرآن کی طرف اشارہ تھا۔ تو کیا اس اللہ کے لیے جو ہر چیز پر قادر ہے یہ بڑا مشکل تھا کہ دوسری قسم کی وحی جس کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کا قرآن میں اشارہ کر دیتا۔ مجھے تو قرآن میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر آپ کسی آیت کی طرف اشارہ فرما سکیں تو مشکور رہوں گا۔ والسلام

مخلص

عبدالودود

## جواب

محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ عنایت نامہ مؤرخہ ۱ اگست سنہ ۱۴۱۵ھ ملا اس تازہ عنایت نامے میں آپ نے اپنے پیش کردہ ابتدائی چار سوالات میں سے پہلے سوال پر بحث کو محدود رکھتے ہوئے نبوت اور سنت کے متعلق اپنے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا تصور نبوت ہی بنیادی طور پر غلط ہے ظاہر ہے کہ جب بنیادی ہی غلطی موجود ہو تو بعد کے اُن سوالات پر جو اسی بنیاد سے اٹھتے ہیں بحث کر کے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ آپ میرے جواب پر مزید سوالات اٹھانے کے بجائے اُن اصل مسائل پر گفتگو فرمائیں جو میں نے اپنے جواب میں بیان کیے ہیں۔ میں آپ کا شکریہ گزار ہوں کہ آپ نے میری اس گزارش کو قبول کر کے اولین بنیادی سوال پر اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ اب میں آپ کی، اور اُن دوسرے لوگوں کی جو اس غلط فہمی میں گرفتار ہیں، کچھ خدمت انجام دے سکوں گا۔

نبوت اور سنت کا جو تصور آپ نے بیان کیا ہے وہ قرآن مجید کے نہایت ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ آپ نے اس ناقص مطالعہ پر اتنا اعتماد کر لیا کہ پہلی صدی سے آج تک اس بارے میں ساری امت کے علماء اور عوام کا بالاتفاق جو عقیدہ اور عمل رہا ہے اسے آپ غلط سمجھ بیٹھے ہیں اور اپنے نزدیک یہ خیال کر لیا ہے کہ پونے چودہ سو سال کی طویل مدت میں تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کو سمجھنے میں ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ ان کے تمام علمائے قانون نے سنت کو ماخذ قانون ماننے میں غلطی کی ہے اور ان کی تمام سلطنتیں اپنا قانونی نظام اس بنیاد پر قائم کرنے میں غلط فہمی کی شکار ہو گئی ہیں۔ آپ کے ان خیالات پر تفصیلی گفتگو تو میں آگے کی سطور میں کروں گا، لیکن اس گفتگو کا

آغاز کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ آپ ٹھنڈے دل سے اپنے دینی علم کی مقدار کا خود جائزہ لیں اور خود ہی سوچیں کہ وہ علم جو آپ نے اس بارے میں حاصل کیا ہے کیا وہ اتنے بڑے زعم کے لیے کافی ہے؟ قرآن تنہا آپ ہی نے تو نہیں پڑھا ہے۔ کروڑوں مسلمان ہر زمانے میں اور دنیا کے ہر حصے میں اس کو پڑھتے رہے ہیں۔ اور بے شمار ایسے لوگ بھی اسلامی تاریخ میں گزرے ہیں اور آج بھی پاسے جاتے ہیں جن کے لیے قرآن کا مطالعہ ان کے بہت سے مشاغل میں سے ایک ضمنی مشغلہ نہیں رہا ہے بلکہ انہوں نے اپنی عمریں اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے اور اس کے مضمرات سمجھنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے میں صرف کر دی ہیں۔ آخر آپ کو یہ غلط فہمی کیسے لاق ہو گئی کہ نبوت جیسے بنیادی مسئلے میں یہ سب لوگ قرآن کا منشا بالکل اٹا سمجھ بیٹھے ہیں اور صحیح نقاشا صرف آپ پر اور آپ جیسے چند اصحاب پر اب تکشف ہوا ہے۔ پوری تاریخ اسلام میں آپ کسی ایک قابل ذکر عالم کا بھی نام نہیں لے سکتے جس نے قرآن سے منصب نبوت کا وہ تصور اخذ کیا ہو جو آپ بیان کر رہے ہیں اور سنت کی وہ حیثیت قرار دی ہو جو آپ قرار دے رہے ہیں۔ اگر ایسے کسی عالم کا حوالہ آپ دے سکتے ہیں تو براہ کرم اس کا نام لیجیے۔

۱۔ منصب نبوت اور اس کے فرائض | آپ کی عقل و ضمیر سے یہ مخلصانہ اپیل کرنے کے بعد اب میں آپ کے پیش کردہ خیالات کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ آپ کی ساری بحث دس نکات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلا نکتہ خود آپ کے الفاظ میں یہ ہے:

”مجھے آپ سے سو فیصدی اتفاق ہے کہ حضور معلم بھی تھے، حاکم بھی تھے، تہا بھی تھے۔ سپہ سالار بھی۔ آپ نے افراد کی تربیت کی اور تربیت یافتہ افراد کو

ایک منظم جماعت کی شکل دی۔ اور پھر ایک ریاست قائم کی۔“

یہ سو فی صدی اتفاق جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں، دراصل ایک فی صدی، بلکہ

۱۱ فی صدی بھی نہیں ہے۔ یہ آپ کے لیے خود کو معلم، حاکم، تہا وغیرہ مانا ہے،

مأمور من اللہ کی لازمی صفت کے ساتھ نہیں مانا ہے۔ حالانکہ سارا فرق اسی صفت کے ماننے اور نہ ماننے سے واقع ہوتا ہے۔ آگے چل کر آپ نے خود یہ بات واضح کر دی ہے کہ آپ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سارے کام رسول کی حیثیت میں نہیں بلکہ ایک عام انسان کی حیثیت میں تھے اور اسی وجہ سے اس حیثیت میں حضور نے جو کام کیا ہے اسے آپ وہ سنت نہیں مانتے جو ماخذ قانون ہو۔ دوسرے الفاظ میں آنحضور آپ کے نزدیک ایک معلم تھے مگر خدا کے مقرر کردہ نہیں بلکہ جیسے دنیا میں اور استاد ہوتے ہیں ویسے ہی ایک حضور بھی تھے۔ اسی طرح آپ قاضی تھے، مگر خدا نے آپ کو اپنی طرف سے قاضی مقرر نہیں کیا تھا بلکہ دنیا کے عام ججوں اور محبٹرٹیوں کی طرح ایک جج یا مجسٹریٹ آپ بھی تھے۔ یہی پوزیشن حاکم اور رزگی اور قائد و رہنما کے معاملہ میں بھی آپ نے اختیار کی ہے کہ ان میں سے کوئی منصب بھی آپ کے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مأمور من اللہ ہونے کی حیثیت سے حاصل نہ تھا۔

پہلا سوال یہ ہے کہ پھر یہ مناسب حضور کو حاصل کیسے ہوتے؟ کیا مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں نے باختیار خود آپ کو اپنا لیڈر منتخب کیا تھا اور اس قیادت کے منصب سے وہ آپ کو ہٹا دینے کے بھی مجاز تھے؟ کیا مدینہ پہنچ کر جب اسلامی ریاست کی بنیاد لی گئی اس وقت انصار و مہاجرین نے کوئی مجلس مشاورت منعقد کر کے یہ طے کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس ریاست کے صدر اور قاضی اور افواج کے قائد اعلیٰ ہوں گے؟ کیا حضور کی موجودگی میں کوئی دوسرا مسلمان بھی ان مناصب کے لیے منتخب ہو سکتا تھا؟ اور کیا مسلمان اس کے مجاز تھے کہ آپ سے یہ سب مناصب، یا ان میں سے کوئی منصب واپس لیکر باہمی مشورے سے کسی اور کو سونپ دیتے؟ پھر کیا یہ بھی واقعہ ہے کہ مدینہ کی اس ریاست کے لیے قرآن کے تحت تفصیلی قوانین اور ضابطے بنانے کی غرض سے کوئی بیجا پھر حضور کے زمانہ میں قائم کی گئی تھی جس میں آپ کے مشورے سے قرآن کا نفاذ

معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہوں اور اس مجلس کی رائے سے قرآن کا جو مفہوم متعین ہوتا ہو اس کے مطابق ملکی قوانین بنائے جاتے ہوں؛ اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو براہ کرم اس کا کوئی تاریخی ثبوت ارشاد فرمائیں۔ اور اگر نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود رہنما، فرمانروا، قاضی، شاعر اور قائد اعلیٰ بن بیٹھے تھے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضورؐ کی جو حیثیت آپ قرار دے رہے ہیں کیا قرآن بھی آپؐ کی وہ حیثیت قرار دیتا ہے؟ اس سلسلہ میں ذرا قرآن کھول کر دیکھیے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

رسول بحیثیت معلم و مربی | اس کتاب پاک میں چار مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ  
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ... رَبَّنَا وَاَلْعَثْ  
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰتِيْكَ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ  
يُزَكِّيْهِمْ۔ (البقرہ - آیت ۱۲۹)

اور یاد کرو جبکہ ابراہیم اور اسماعیل (اس گھر کے) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (انہوں نے دعا کی)۔  
.. آئے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود اپنی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور

حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ  
يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰتِيْنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُ  
اَلْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ  
تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۔

(البقرہ - آیت ۱۲۹)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ

جس طرح ہم نے تمہارے اندر خود تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

اللہ نے ایمان لانے والوں پر احسان فرمایا جبکہ

ان کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنا تا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

(آل عمران-۱۶۴)

دہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سنا تا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

(الجمعة-۲)

ان آیات میں بار بار جس بت کو تاکید دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو صرف آیات قرآن سنا دینے کے لیے نہیں بھیجا تھا بلکہ اس کے ساتھ بعثت کئے تین مقصد اور بھی تھے۔

ایک یہ کہ آپ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیں۔

دوسرے یہ کہ اس کتاب کے نشا کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھائیں۔

اور تیسرے یہ کہ آپ افراد کا بھی امدان کی اجتماعی بہنیت کا بھی تزکیہ کریں یعنی اپنی تربیت سے ان کی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کو دور کریں اور ان کے اندر اچھے اوصاف اور بہتر نظام اجتماعی کو نشو و نما دیں۔

ظاہر ہے کہ کتاب اور حکمت کی تعلیم صرف قرآن کے الفاظ سنا دینے سے زائد ہی کوئی چیز تھی ورنہ اس کا الگ ذکر یہی معنی تھا۔ اسی طرح افراد اور معاشرے کی تربیت کے لیے آپ جو تدابیر بھی اختیار فرماتے تھے وہ بھی قرآن کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے زائد ہی کچھ تھیں، ورنہ تربیت کی اس الگ خدمت کا ذکر کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اب فرمائیے کہ قرآن پہنچانے کے علاوہ یہ معلم اور مربی کے منصب پر کون سا عمل تھے ان پر آپ خود فائز ہو چکے

تھے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر مامور فرمایا تھا؟ کیا قرآن کی ان صفات اور مکرر تصریحات کے بعد اس کتاب پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ دونوں مناصب رسالت کے اجزاء نہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مناصب کے فرائض اور خدمات بحیثیت رسول نہیں بلکہ اپنی پرائیویٹ حیثیت میں انجام دیتے تھے؟ اگر نہیں کہہ سکتا تو بتائیے کہ قرآن کے الفاظ سنانے سے زائد جو باتیں حضور نے تعلیم کتاب و حکمت کے سلسلے میں فرمائیں اور اپنے قول و عمل سے افراد اور معاشرہ کی جو تربیت حضور نے کی اسے من جانب اللہ ماننے اور تسلیم کرنے سے انکار خود رسالت کا انکار نہیں نواد رکھا ہے؟

رسول بحیثیت شارح کتاب اللہ | سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ

لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ (آیت ۴۴)

اور (آسے نبی) یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لیے

نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے واضح کر دو اس

تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس آیت صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپر یہ خدمت کی گئی تھی کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ جو احکام و ہدایات اعلیٰ آپ کو تو ضیح و تشریح فرمائیں ایک موٹی سی عقل کا آدمی بھی کم از کم اتنی بات تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ کسی بات کی تشریح و توضیح محض اس کتاب کے الفاظ پڑھ کر سنانے سے نہیں ہوتی بلکہ تشریح کرنے والا اس کے الفاظ سے زائد کچھ کہتا ہے تاکہ سننے والا کتاب کا مطلب پوری طرح سمجھ جائے اور اگر کتاب کی کوئی بات کسی عملی مسئلے سے متعلق ہو تو شارح عملی مظاہرہ (PRACTICAL DEMONSTRATION) کر کے بتاتا ہے کہ مصنف کا منشا اس طرح عمل کرنا ہے۔ یہ نہ ہو تو کتاب کے الفاظ کا مطلب و مدعا پوچھنے والے کو پھر کتاب کے الفاظ ہی سنا دینا کسی طفل مکتب کے نزدیک بھی تشریح و توضیح قرار نہیں پاسکتا۔ اب فرمائیے کہ اس آیت کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح اپنی ذاتی حیثیت میں تھے یا خدا نے آپ کو شارح مقرر کیا تھا؟ یہاں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر کتاب نازل کرنے کا مقصد ہی یہ بیان کر رہا ہے کہ رسول اپنے قول و عمل سے اس کا مطلب واضح کرے۔

پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ شارح قرآن کی حیثیت سے آپ کے منصب کو رسالت کے منصب الگ قرار دیا جائے اور آپ کے پہنچاتے ہوتے الفاظ قرآن کو لیکر آپ کی شرح و تفسیر قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے یہ انکار خود رسالت کا انکار نہ ہوگا؟

رسول بحیثیت پیشوا و نمونہ تقلید | سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي  
يُحِبِّكُمْ اللَّهُ... قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ  
الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ  
الْكٰفِرِينَ - آیات ۳۱-۳۲

اے نبی! کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کریگا... کہو کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سورہ اخزاب میں فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ وَ  
الْيَوْمِ الْآخِرِ - آیت ۴۱

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک نورۂ تقلید ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو۔

ان دونوں آیتوں میں خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو پیشوا مقرر کر رہا ہے، ان کی پیروی کا حکم دے رہا ہے، ان کی زندگی کو نمونہ تقلید قرار دے رہا ہے، اور صاف فرما رہا ہے کہ یہ روش اختیار نہ کرو گے تو مجھ سے کوئی امید نہ رکھو، میری محبت اس کے بغیر نہیں حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس سے منہ موڑنا کفر ہے۔ اب فرمائیے کہ حضور رہنا اور لیڈر خود بن بیٹھے تھے؟ یا مسلمانوں نے آپ کو منتخب کیا تھا؟ یا اللہ نے اس منصب پر آپ کو مامور کیا تھا؟ اگر قرآن کے یہ الفاظ بالکل غیر مثبتہ طریقے سے آنحضور کو مامور من اللہ رہنا و پیشوا قرار دے رہے ہیں تو پھر آپ کی پیروی اور آپ کے نمونہ زندگی کی تقلید سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا سراسر لغو ہے کہ اس سے مراد قرآن کی پیروی ہے۔ اگر یہ مراد ہوتی تو فاتحین القرآن فرمایا جاتا نہ کہ فاتحین۔ اور اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

کو اسوہ حسنہ کہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

رسول بحیثیت شاریع | سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے

يَا مَرْهُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَلَا تَغْلِلَ الْاِثْنَى كَانَتْ عَلَيْهِمْ - (آیت ۸۵)

وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے ان کو روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بند من اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرعی اختیارات (LEGISLATIVE POWERS) عطا کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے، بلکہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضور نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے، وہ بھی اللہ کے دینے ہوئے اختیارات سے ہے، اس لیے وہ بھی قانونِ خداوندی کا ایک حصہ ہے یہی بات سورہ حشر میں اسی صراحت کے ساتھ ارشاد ہوتی ہے :

وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ - (آیت ۵۸)

جو کچھ رسول نہیں لے اے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو اللہ سخت نرا دینے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سے کسی کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ ان میں قرآن کے امر اور قرآن کی تحلیل و تحریم کا ذکر ہے۔ یہ تاویل نہیں بلکہ اللہ کے کلام میں ترتیم ہوگی۔ اللہ نے تو یہاں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسول کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا۔ پھر کیا کوئی شخص اللہ میاں سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپے بیان میں غلطی ہوگئی، آپ بھولے سے قرآن کے بجائے رسول کا نام لے گئے؟

رسول بحیثیت قاضی قرآن میں ایک جگہ نہیں، بکثرت مقامات پر اللہ تعالیٰ اس امر کی تصریح فرماتا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قاضی مقرر کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

راے نبی (ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو۔

اور راے نبی (کہو کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔ ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔

اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو تم دیکھتے ہو منافقوں کو کہ وہ تم سے کئی کتراتے ہیں۔ پس راے نبی (تیرے رب کی قسم وہ ہرگز یمن نہ ہونگے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مانیں، پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ۔

(النساء: ۱۰۵)

وَقُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ لَا عُدُولَ لَكُمْ۔

(الشوریٰ: ۱۵)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (النور: ۵۱)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا (النساء: ۶۱)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى تُخْرِكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْأَلُوا تَسْلِيمًا۔

(النساء: ۶۵)

یہ تمام آیتیں اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ساختہ، یا مسلمانوں کے مقرر کیے ہوئے حج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حج تھے۔ تیسری آیت بتا رہی ہے کہ آپ کی حج ہونے کی حیثیت مسات کی حیثیت الگ نہیں تھی بلکہ رسول ہی کی حیثیت میں آپ حج بھی تھے اور ایک مومن کا ایمان بالرسالت اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ کی اس حیثیت کے آگے بھی سمع و طاعت کا رویہ نہ اختیار کرے۔ چوتھی آیت میں ما نزل اللہ (قرآن) اور رسول دونوں کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ حاصل کرنے کے لیے دو مستقل مرجع ہیں، ایک قرآن قانون کی حیثیت سے، دوسرے رسول حج کی حیثیت سے، امدان دونوں سے منہ موڑنا منافق کا کام ہے نہ کہ مومن کا۔ آخری آیت میں بالکل بے لاگ طریقے سے کہہ دیا گیا ہے کہ رسول کو جو شخص حج کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں ہے، ہنسی کہ اگر رسول کے دیئے ہوئے فیصلے پر کوئی شخص اپنے دل میں بھی تنگی محسوس کرے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ کیا قرآن کی ان تصریحات کے بعد بھی آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضور رسول کی حیثیت سے قاضی نہ تھے بلکہ دنیا کے عام ججوں اور میجسٹریٹوں کی طرح آپ بھی ایک جج یا میجسٹریٹ تھے، اس لیے ان کے فیصلوں کی طرح حضور کے فیصلے بھی مابعد قانون نہیں بن سکتے، کیا دنیا کے کسی حج کی یہ حیثیت ہو سکتی ہے کہ اس کا فیصلہ اگر کوئی نہ مانے یا اس پر تنقید کرے یا اپنے دل میں بھی اُسے غلط سمجھے تو اس کا ایمان سلب ہو جائے !

رسول بحیثیت حاکم و فرمانروا | قرآن مجید اسی صراحت اور تکرار کے ساتھ بکثرت مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حاکم و فرمانروا تھے اور آپ کو یہ منصب بھی رسول ہی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا  
بِطَاعٍ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء: ۶۴) ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی  
اطاعت کی جائے اللہ کے اذن (SANCTION) سے۔

جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ

اللَّهِ - (النساء - ۸۰)

اے نبی، یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا

يُبَايِعُونَ اللَّهَ - (الفتح - ۱۰۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ  
أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ -

(محمد - ۳۳)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کرے تو پھر ان کے بیسے اپنے اس معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرینے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کیے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

وَمَا كَانَ يُؤْمِنُ وَلَا مُؤْمِنَةٌ إِذَا

قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ تَكُونَ لَهُمُ

الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَ

رَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صِلًا مَبِينًا -

(الاحزاب - ۳۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی تم میں سے ادلی الامریوں، پھر اگر تمہارے میں نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور رسول آخر پر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ

أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ

تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ

الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ

الْيَوْمِ الْآخِرِ - (النساء - ۵۹)

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حاکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو، یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرمانروا ہے۔ اس کی فرمانروائی اس کے منصب رسالت سے الگ

کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع ہونا ہے اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے اس کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ کی نافرمانی کے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں اہل ایمان کو دجن میں ظاہر ہے کہ پوری امت اور اس کے حکمران اور اس کے ”مرکز ملت“ سب شامل ہیں، قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس معاملہ کا فیصلہ وہ کر چکا ہو اس میں وہ خود کوئی فیصلہ کریں۔

ان تمام تصریحات سے بڑھ کر صاف اور قطعی تصریح آخری آیت کرتی ہے جس میں یکے بعد دیگرے تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے :

سب سے پہلے اللہ کی اطاعت۔

اس کے بعد رسول کی اطاعت۔

پھر تیسرے درجے میں اولی الامر یعنی آپ کے ”مرکز ملت“ کی اطاعت۔

اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اولی الامر میں شامل نہیں ہے، بلکہ ان سے الگ اور بالاتر ہے اور اس کا درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوتی وہ یہ کہ اولی الامر سے نزاع ہو سکتی ہے مگر رسول سے نزاع نہیں ہو سکتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوتی کہ نزاعات میں فیصلے کے لیے مرجع دو ہیں، ایک اللہ، دوسرا اس کے بعد اللہ کا رسول۔ ظاہر ہے کہ اگر مرجع صرف اللہ ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسول کا ذکر محض بے معنی ہوتا۔ پھر جبکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ عہد رسالت میں خود ذات رسول کی طرف اور اس عہد کے بعد سنت رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

لے بلکہ اگر غائر نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود عہد رسالت میں بھی بہت بڑی حد تک

سنت رسول ہی مرجع تھی۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلامی حکومت پورے جزیرہ

سُنّت کے ماخذِ قانون سمجھتے پر اُمت کا اجماع | اب اگر آپ واقعی قرآن کو مانتے ہیں اور اس کتابِ مقدس کا نام لیکر خود اپنے من گھڑت نظریات کے معتقد بنے ہوئے نہیں ہیں، تو دیکھ لیجیے کہ قرآنِ مجید صاف و صریح اور قطعاً غیر مشتبہ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا مُعَلِّم، مُرَبِّی، بِیْشُوا، رَہْبَنَا، شَارِحِ کَلَامِ اللہ، شَارِع (LAW GIVER) تَاضِی اور حاکم و فرمانروا قرار دے رہا ہے، اور حضور کے یہ تمام مناصب اس کتابِ پاک کی رُو سے منصبِ رسالت کے اجزائے لاینفک ہیں۔ کلامِ الہی کی یہی تصریحات ہیں جن کی بنا پر صحابہ کرام کے دُور سے لیکر آج تک تمام مسلمانوں نے بالاتفاق یہ مانا ہے کہ مذکورہ بالاتمام حیثیات میں حضور نے جو کام کیا ہے وہ قرآن کے بعد دوسرا ماخذِ قانون (SOURCE OF LAW) ہے جب تک کوئی شخص انتہائی بر خود غلط نہ ہو، وہ اس پندار میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ تمام دنیا کے مسلمان اور ہر زمانے کے سارے مسلمان قرآنِ پاک کی ان آیات کو سمجھنے میں غلطی کر گئے ہیں اور ٹھیک مطلب بس اُس نے سمجھا ہے کہ حضور صرت قرآن پڑھ کر سنا دینے کی حد تک رسول تھے، اور اس کے بعد آپ کی حیثیت ایک عام مسلمان کی تھی۔ آخر اُس کے ہاتھ وہ کونسی نرالی لغت آگئی ہے جس کی مدد سے قرآن کے الفاظ کا وہ مطلب اس نے سمجھا جو پوری اُمت کی سمجھ میں کبھی نہ آیا؟

۲۔ رسولِ پاک کے شرعی اختیارات | دوسرا نکتہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے :

”لیکن اس بات پر آپ سے اتفاق نہیں ہے کہ تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں حضور نے جو کچھ کیا تھا یہ وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکمِ اعلیٰ کے قانون برتر کی تشکیل دے گا۔“

عرب پر پھیلی ہوئی تھی۔ دس بارہ لاکھ مربع میل کے اس وسیع و عریض ملک میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہر معاملہ کا فیصلہ براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جاسے۔ لامحالہ اُس زمانے میں بھی اسلامی حکومت کے گورنروں، تاضیوں اور دوسرے حکام کو معاملات کے فیصلے کرنے میں قرآن کے بعد جس دوسرے ماخذِ قانون کی طرف رجوع کرنا ہوتا تھا وہ سنتِ رسولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

تکمیل کرتی ہے۔ بے شک حضور نے حاکم اعلیٰ کے قانون کے مطابق معاشرہ کی تشکیل تو فرمائی لیکن یہ کہ کتاب اللہ کا قانون (نعوذ باللہ) نامکمل تھا اور جو کچھ حضور نے عملاً کیا، اس سے اس قانون کی تکمیل ہوتی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔“

اسی سلسلے میں آگے چل کر آپ پھر فرماتے ہیں

”نہ معلوم آپ کن وجوہات کی بنا پر کتاب اللہ کے قانون کو نامکمل قرار دیتے

ہیں۔ کم از کم میرے لیے تو یہ تصور بھی جسم میں پکی پیدا کر دیتا ہے۔ کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں گے جس سے معلوم ہو کہ قرآن کا قانون نامکمل ہے۔“

ان فقرہوں میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جو علمِ قانون کے

ایک مسلم قاعدے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آپ کو لاحق ہوتی ہے۔ دنیا بھر میں یہ قاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ قانون سازی کا اختیار اعلیٰ جس کو حاصل ہو وہ اگر ایک مجمل حکم دیکر یا ایک عمل کا حکم دے کر، یا ایک اصول طے کر کے اپنے ماتحت کسی شخص یا ادارے کو اس کی تفصیلات کے بارے میں قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے اختیارات تفویض کر دے تو اس کے مرتب کردہ قواعد و ضوابط قانون سے الگ کوئی چیز نہیں ہوتے بلکہ اسی قانون کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ قانون ساز

کا اپنا منشا یہ ہوتا ہے کہ جس عمل کا حکم اُس نے دیا ہے، ذیلی قواعد (BYE LAWS) بنا کر اس پر عمل درآمد کا طریقہ (PROCEDURE) مقرر کر دیا جائے، جو اصول اس نے طے کیا ہے اس کے مطابق مفصل قوانین بناتے جاتیں، اور جو مجمل ہدایت اس نے دی ہے اس کے منشا کو تفصیلی شکل میں واضح کر دیا جاتے۔ اسی غرض کے لیے وہ خود اپنے ماتحت شخص یا اشخاص یا اداروں کو قواعد و ضوابط مرتب کرنے کا مجاز کرتا ہے۔ یہ ذیلی قواعد بلاشبہ اصل ابتدائی قانون کے ساتھ مل کر اس کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قانون ساز نے غلطی سے ناقص قانون بنایا تھا، اور کسی دوسرے نے اس کا نقص دُور کیا۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قانون ساز نے اپنے قانون کا بنیادی حصہ خود بیان کیا اور تفصیلی حصہ اپنے مقرر کیے ہوئے

ایک شخص یا ادارے کے ذریعہ سے مرتب کرادیا۔

حضور کے شرعی کام کی نوعیت | اللہ تعالیٰ نے اپنی قانون سازی میں یہی قاعدہ استعمال فرمایا ہے۔ اس نے قرآن میں مجمل احکام اور ہدایات دیکر، یا کچھ اصول بیان کر کے، یا اپنی پسند ناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول کے سپرد کیا کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ عملاً اسے برت کر اور اس کے مطابقی کام کر کے بھی دکھا دیں۔ یہ تفویض اختیار کا خیران خود قانون کے متن (یعنی قرآن مجید) میں موجود ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ - (النحل: ۴۴) اور (اے نبی!) ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے واضح کر دو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس صریح فرمان تفویض کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قولی اور عملی بیان، قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے۔ یہ درحقیقت قرآن ہی کی رو سے اس کے قانون کا ایک حصہ ہے۔ اس کو چیلنج کرنے کے معنی خود قرآن کو اور خدا کے پروردگار تفویض کو چیلنج کرنے کے ہیں۔

اس شرعی کام کی چند مثالیں | یہ اگرچہ آپ کے نکتے کا پورا جواب ہے، لیکن میں مزید تفہیم کی خاطر چند مثالیں دیتا ہوں جن سے آپ سمجھ سکیں گے کہ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح و بیان کے درمیان کس قسم کا تعلق ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے (وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ - التوبہ: ۱۰۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی کہ اپنے لباس کو پاک رکھیں (وَنِيَابُكَ فَطَهِّر - المدثر: ۴) حضور نے اس منشا پر عمل درآمد کے لیے استنجا اور طہارت جسم و لباس کے متعلق مفصل ہدایات دیں اور ان پر خود عمل کر کے بتایا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر تم کو ہمارا حکم معلوم ہو تو پاک ہو تے بغیر نماز نہ پڑھو

والنساء- ۴۳ المائدہ- ۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ جنابت سے کیا مراد ہے۔ اس کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے اور کن حالتوں پر نہیں ہوتا۔ اور اس سے پاک ہونے کا طریقہ کیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنا منہ اور کہنیوں تک ماتھ دھو لو، سر پر مسح کرو اور پاؤں دھوؤ، یا ان پر مسح کرو (المائدہ- ۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ منہ دھونے کے حکم میں کھلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے۔ کان سر کا ایک حصہ ہیں اور سر کے ساتھ ان پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ پاؤں میں موزے ہوں تو مسح کیا جائے اور موزے نہ ہوں تو ان کو دھونا چاہیے۔ اس کے ساتھ آپ نے تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ وضو کن حالات میں ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں باقی رہتا ہے

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ رکھنے والی رات کو اس وقت تک کھا پی سکتا ہے جب تک فجر کے وقت کا لانا کا سفید مانگے سے میسر نہ ہو جائے رَحْتًا يَتَبَيَّنُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ- ۱۸۷)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اس سے مراد تاریکی شب کے مقابلہ میں سپیدہ صبح کا نمایاں ہونا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں بعض اشیاء کے حرام اور بعض کے حلال ہونے کی تصریح کرنے کے بعد باقی اشیاء کے متعلق یہ عام ہدایت فرمائی کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کی گئی ہیں (المائدہ- ۴)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے اس کی تفصیل بتائی کہ پاک چیزیں کیا ہیں جنہیں ہم کھا سکتے ہیں اور ناپاک چیزیں کونسی ہیں جن سے ہم کو بچنا چاہیے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تیت کی زینہ اولاد کوئی نہ ہو اور ایک لڑکی ہو تو وہ نصف ترکہ پائے گی اور دوسرے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا (النساء- ۱۱)۔ اس میں یہ بات واضح نہ تھی

کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو وہ کتنا حصہ پائیں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیش فرمائی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا دو سے زائد لڑکیوں کا مقرر کیا گیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو یک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا (النساء - ۲۳)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ بھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

[ قرآن مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کریں (النساء - ۱۳)۔ یہ الفاظ اس معاملہ میں قطعاً واضح نہیں ہیں کہ ایک مرد یک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ حکم کے اس منشا کی وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور جن لوگوں کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں ان کو آپ کے حکم دیا کہ زائد بیویوں کو طلاق دے دیں۔

قرآن حج کی فرضیت کا عام حکم دیتا ہے اور یہ صحت نہیں کرتا کہ اس فرضیہ کو انجام دینے کے لیے آیا ہر مسلمان کو ہر سال حج کرنا چاہیے یا عمر میں ایک بار کافی ہے یا ایک سے زیادہ مرتبہ جانا چاہیے (آل عمران - ۹۷)۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تشریح ہے جس سے ہم کو معلوم ہوا کہ عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کر کے آدمی فرضیہ حج سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔

قرآن سونے اور چاندی کے جمع کرنے پر سخت وعید فرماتا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت ۳۴ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے عموم میں اتنی گنجائش بھی نظر نہیں آتی کہ آپ روز مرہ کے خرچ سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھ سکیں، یا آپ کے گھر کی خوانین کے پاس سونے یا چاندی کا ایک تار بھی زیور کے طور پر رہ سکے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنہوں نے بتایا کہ سونے اور چاندی کا نصاب کیا ہے، اور بقدر نصاب یا اس سے زیادہ سونا چاندی

رکھنے والا آدمی اگر اس پر ڈھائی فی صدی کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے تو وہ قرآن مجید کی اس وعید کا مستحق نہیں رہتا۔ ]

ان چند مثالوں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ تشریعی اختیارات کو استعمال کر کے قرآن کے احکام و ہدایات اور اشارات مضمرات کی کس طرح شرح و تفسیر فرمائی ہے۔ یہ چیز چونکہ خود قرآن میں دیئے ہوئے فرمان تفویض پر مبنی تھی اس لیے یہ قرآن سے الگ کوئی مستقل بالذات قانون نہیں ہے بلکہ قرآن کے قانون ہی کا ایک حصہ ہے۔

۳۔ سنت اور اتباع سنت کا مفہوم اسیراکتہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سنت رسول اللہ کا اتباع یہ ہے کہ جو کام حضورؐ نے کیا وہی ہم کریں، نہ یہ کہ جس طرح حضورؐ نے کیا اسی طرح ہم بھی کریں۔ اگر حضورؐ نے ما انزل اللہ کو دوسروں تک پہنچایا تو امت کا بھی فرض ہے کہ ما انزل اللہ کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

سنت اور اس کے اتباع کا یہ مفہوم جو آپ نے متعین کیا ہے اس کے متعلق میں صرف اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ خود اس ما انزل اللہ کے مطابق نہیں ہے جس کے اتباع کو آپ واجب مانتے ہیں۔ ما انزل اللہ کی رو سے تو سنت کا اتباع یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے مقرر کیے ہوئے معلم، مربی، شارح، قاضی، حاکم و فرمانروا اور شارح قرآن ہونے کی حیثیت سے جو کچھ فرمایا اور عمل کر کے دکھایا ہے اسے آپ سنت رسولؐ مانیں اور اس کا اتباع کریں۔ اس کے دلائل میں اوپر بیان کر چکا ہوں، اس لیے انہیں دہرانے کی حاجت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے مسواک والی بات جو لکھی ہے اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے

یہ بات ارشاد فرماتے وقت ڈاکٹر صاحب اس امر واقعہ کو بھول گئے کہ حضورؐ نے پہلا کام تو نبوت کے دعوے کا کیا تھا۔ اس لحاظ سے اتباع سنت کا پہلا تقاضا یہ قرار مانتا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کر ڈالا جائے۔

کہ نجدہ علمی مباحث میں اس قسم کی مہمل باتوں کو بطور نظیر لا کر کسی مسئلے کا تصفیہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر نقطہ نظر کے حامیوں میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی غیر معقول باتوں سے اپنے نقطہ نظر کو مضحکہ انگیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کی باتوں سے استدلال کر کے بجائے خود اُس نقطہ نظر کی تردید کرنے کی کوشش اگر آپ کریں گے تو اس کے معنی اس کے سوا کچھ نہ ہونگے کہ وزنی دلائل کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کر کے آپ صرف کمزور باتیں زور آزمائی کے لیے تلاش کرتے ہیں۔

اسی طرح آپ کی یہ دلیل بھی بہت کمزور ہے کہ اتباع سنت کے معنی آج کے ایٹمی دَور میں تیروں سے لڑنے کے ہیں کیونکہ حضور کے زمانے میں تیروں ہی سے جنگ کی جاتی تھی آخر آپ سے کس نے کہا ہے کہ اتباع سنت کے معنی یہ ہیں؛ اتباع سنت کے یہ معنی اہل علم نے کبھی نہیں دیے ہیں کہ ہم جہاد میں وہی اسلحہ استعمال کریں جو حضور کے زمانہ میں استعمال ہوتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ اس کے معنی یہی سمجھے گئے ہیں کہ ہم جنگ میں اُن مقاصد، اُن اخلاقی اصولوں اور اُن شرعی ضابطوں کو ملحوظ رکھیں جن کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے دی ہے، اور اُن اغراض کے لیے لڑنے اور وہ کارروائیاں کرنے سے باز رہیں جن سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

۴۔ رسول پاک کس وحی کے اتباع پر مامور آپ کا چوتھا نکتہ آپ کے اپنے الفاظ تھے اور ہم کس کے اتباع پر مامور ہیں؟ میں یہ یہ ہے کہ :

”ان تمام اعمال میں جو حضور نے تین سالہ پیغمبرانہ زندگی میں کیے وہ اسی ما انزل اللہ کا، جو کتاب اللہ میں موجود ہے، اتباع کرتے تھے اور امت کو بھی یہی حکم ملا کہ اسی کا اتباع کرے۔ جہاں اَتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ (۲۱۶) کہہ کر امت کے افراد کو تلقین کی دیاں یہ بھی اعلان ہوا کہ حضور بھی اسی کا اتباع کرتے

اس عبارت میں آپ نے دو آیتیں نقل کی ہیں، اور دونوں نہ صرف یہ کہ غلط نقل کی ہیں، بلکہ نقل میں بھی ایسی غلطیاں کی ہیں جو عربی زبان کی شدید کا علم رکھنے والا بھی نہیں کر سکتا۔ پہلی آیت دراصل یہ ہے اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ یعنی پیروی کرو اُس کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ آپ کے نقل کردہ الفاظ کا ترجمہ یہ ہو گا کہ ”پیروی کرو اُس کی جو اللہ نے تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا ہے“ دوسری آیت کے اصل الفاظ قرآن مجید میں یہ ہیں قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَبِّي (۳۱)۔ کہو کہ میں تو اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے۔ آپ نے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے ”کہو کہ پیروی کرو اُس وحی کی جو میری طرف میرے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے“ میں نے ان غلطیوں پر آپ کو صرف اس لیے متنبہ کیا ہے کہ آپ کسی وقت ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ایک طرف قرآن سے آپ کی واقفیت کا یہ حال ہے اور دوسری طرف آپ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ساری امت کے اہل علم و تحقیق قرآن کو غلط سمجھے ہیں اور آپ نے اس کو صحیح سمجھا ہے۔

اب رہا اصل مسئلہ، تو اس میں آپ نے دو باتیں کہی ہیں اور دونوں غلط ہیں۔ ایک بات آپ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف وہی وحی آتی تھی جو قرآن میں موجود ہے اور حضور کو صرف اسی کی پیروی کا حکم تھا۔ حالانکہ خود قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے احکام نازل ہوتے تھے اور آپ ان دونوں قسم کی وحیوں کا اتباع کرنے پر مامور تھے۔ دوسری بات آپ یہ فرماتے ہیں کہ امت کو صرف قرآن کی پیروی کا حکم ہے۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ امت کو رسول پاک کی پیروی کا حکم بھی ہے۔

۱۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ رَاٰلِ عَمْرٰن (۳۱) اے

نبی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔  
 ۲۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (الاعراف ۱۵۶-۱۵۷)۔ میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ اور اس رحمت کو میں ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جس کا ذکر وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

۳۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ (البقرہ ۱۴۳)۔ اور ہم نے وہ قبلہ جس پر اب تک تم تھے اسی لیے مقرر کیا تھا تاکہ یہ دیکھیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔  
 ان آیات میں رسول کی پیروی کرنے کے حکم کو تاویل کے خراہ پر چڑھا کر یہ معنی نہیں پہناتے جاسکتے کہ اس سے مراد واصل قرآن کی پیروی ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اگر واقعی مقصود یہی ہوتا کہ لوگ رسول کی نہیں بلکہ قرآن کی پیروی کریں تو آخر کیا وجہ ہے کہ آیت نمبر ۱ میں اللہ تعالیٰ نے قَائِلُوا كِتَابَ اللَّهِ کہنے کے بجائے فَاتَّبِعُونِي کے الفاظ استعمال فرمائے؛ کیا آپ کی رائے میں یہاں اللہ میاں سے چوک ہو گئی ہے؟

پھر آیت نمبر ۲ میں تو اس تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اس میں آیات خداوندی پر ایمان لانے کا ذکر الگ ہے اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ذکر الگ۔

ان سب سے زیادہ کھلی ہوئی آیت نمبر ۲ ہے جو ایسی ہر تاویل کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور ساتھ ساتھ آپ کے اس مفروضے کا بھی قلع قمع کر دیتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے سوا اور کسی صورت میں وحی نہیں آتی تھی۔ مسجد حرام کو قبلہ قرار دینے سے پہلے مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اسے قبلہ بنانے کا حکم نہیں آیا ہے۔ اگر آیا ہو تو آپ اس کا حوالہ

وسے دیں۔ یہ واقعہ ناقابل انکار ہے کہ وہ قبلہ آغاز اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا اور تقریباً ۱۴ سال تک اسی کی طرف حضورؐ اور صحابہ کرام نماز ادا کرتے رہے۔ ۱۴ سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کی اس آیت میں حضورؐ کے اس فعل کی توثیق فرمائی، اور یہ اعلان فرمایا کہ یہ قبلہ ہمارا مقرر کیا ہوا تھا، اور اسے ہم نے اپنے رسول کے ذریعہ سے اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اس سے منہ موڑتا ہے۔ یہ ایک طرف اس امر کا صریح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے احکام نازل ہوتے تھے۔ اور دوسری طرف یہی آیت پوری صراحت کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن احکام کا اتباع کرنے پر بھی مامور ہیں جو قرآن میں مذکور نہ ہوں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کے ایمان بارسالت کی آزمائش ہی اس طریقہ سے ہوتی ہے کہ رسول کے ذریعہ سے جو حکم دیا جائے اسے وہ مانتے ہیں یا نہیں! اب آپ اور آپ کے ہم خیال حضرات خود سوچ لیں کہ اپنے آپ کو کس خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ اگر آپ کے دل میں واقعی خدا کا اتنا خوف ہے کہ اس کی ہدایت کے خلاف طرز عمل کا تصور کرنے سے بھی آپ کے جسم پر ککپی طاری ہو جاتی ہے، تو میری گزارش یہ ہے کہ بحث و مناظرہ کے جذبے سے اپنے ذہن کو پاک کر کے اوپر کی چند سطروں کو مکرر پڑھیں۔ خدا کرے کہ آپ کے جسم پر ککپی طاری ہو اور آپ اس گمراہی سے بچ سکیں جس میں محض اپنے ناقص مطالعے کی وجہ سے پڑ گئے ہیں۔

۵۔ مرکز قلت | پانچواں نکتہ آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

”چونکہ دین کا تقاضا یہ تھا کہ کتاب پر عمل اجتماعی شکل میں ہو، اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص قرآن پر اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے اور دوسرا اپنی سمجھ کے مطابق، اس لیے نظام کو قائم رکھنے کے لیے ایک زندہ شخصیت کی ضرورت ہے۔ اور مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ اجتماعی نظام کے قیام کا سوال ہو

دہاں پہنچانے والے کا مقام بہت اُگے ہوتا ہے۔ کیونکہ پیغام اس نے اس لیے پہنچایا کہ وحی اس کے سوا کسی اور کو نہیں ملتی، چنانچہ قرآن نے اسی لیے واضح کر دیا کہ مَن يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ چنانچہ حضور مرکزِ ملت بھی تھے۔ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل یہی ہے کہ حضور کے بعد بھی اسی طرح مرکزیت کو قائم رکھا جائے، چنانچہ اسی نکتہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ (۲۴۹)۔

اس نکتہ کو آپ نے اچھی طرح کھول کر بیان نہیں فرمایا ہے۔ آپ کے مجموعی ارشادات کی مدد سے آپ کا جو مدعا سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض اجتماعی نظام قائم کرنے کی خاطر اپنے زمانے میں رسول کے علاوہ مرکزِ ملت بھی بنائے گئے تھے۔ آپ کی رسول ہونے کی حیثیت تو دائمی تھی، مگر مرکزیت ہونے کی حیثیت صرف اُس وقت تک تھی جب تک آپ کی زندہ شخصیت نظامِ جماعت چلا رہی تھی۔ پھر جب آپ کی وفات ہو گئی تو آپ کے بعد جس زندہ شخصیت کو نظام قائم رکھنے کے لیے سربراہ بنایا گیا اور اب بنایا جائے وہ اپنے زمانے کے لیے ویسا ہی ”مرکزِ ملت“ تھا اور ہو گا جیسے حضور اپنے زمانے کے لیے تھے۔ اب سنتِ رسول کی پیروی بس یہی ہے کہ ہم نظام قائم رکھنے کے لیے یکے بعد دیگرے نسل کے ساتھ ”مرکزِ ملت“ قائم کرتے رہیں۔ اس معاملہ میں بعد کے مرکز ان ملت پر اگر حضور کو کوئی فوقیت ہے تو صرف یہ کہ قرآن پہنچانے والے کی حیثیت سے آپ کا مقام بہت اُگے ہے۔

چند اصولی سوالات | آپ کے کلام کی یہ تفسیر جو میں نے کی ہے یہ اگر صحیح نہیں تو آپ تصحیح فرمادیں۔ صاحبِ کلام ہونے کی حیثیت سے آپ کی اپنی تفسیر صحیح تر ہوگی۔ لیکن اگر میں نے آپ کا مطلب ٹھیک سمجھا ہے تو اس پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ یہاں بھی آیت نقل کرنے میں غلطیاں کی گئی ہیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔

اول یہ کہ ”مرکزیت“ سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اللہ کی کتاب پہنچانے والے ہیں، اس کتاب کی تشریح و توضیح کرنے والے ہیں، اس کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھانے والے ہیں، افراد اور جماعت کا تزکیہ کرنے والے ہیں مسلمانوں کے لیے نمونہ تقلید ہیں، وہ رہنما ہیں جس کی پیروی خدا کے حکم سے واجب ہے، امر و نہی اور تحلیل و تحریم کے اختیارات رکھنے والے شارع (LAW-GIVER) ہیں، قاضی ہیں، اور حاکم مطاع ہیں۔ قرآن میں بتاتا ہے کہ یہ تمام مناصب حضور کو رسول ہونے کی حیثیت سے حاصل تھے اور منصب رسالت پر آپ کے مامور ہونے کا مطلب ہی یہ تھا کہ آپ ان سب مناصب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کئے گئے تھے۔ اس باب میں قرآن کے واضح ارشادات میں پہلے نقل کر چکا ہوں جنہیں دہرانے کی حاجت نہیں۔ اب چونکہ ”مرکزیت“ قرآن کی نہیں بلکہ آپ لوگوں کی اپنی بنائی ہوئی اصطلاح ہے، اس لیے براؤ کریم آپ یہ بتائیں کہ ”مرکزیت“ کا منصب ان مناصب کے ماسوا کچھ ہے؟ یا انہی مناصب کا مجموعہ ہے؟ یا ان میں سے بعض مناصب اس میں شامل ہیں اور بعض نہیں ہیں؟ اگر وہ ان کے ماسوا کچھ ہے تو وہ کیا ہے اور حضور کے اس منصب کا علم آپ کو کس ذریعہ سے حاصل ہوا ہے؟ اگر وہ انہی مناصب کا مجموعہ ہے تو آپ اس کو رسالت سے الگ کیسے قرار دیتے ہیں؟ اور اگر ان میں سے بعض مناصب ”مرکزیت“ کے ہیں اور بعض منصب رسالت کے تو وہ کون کون سے مناصب ہیں جو مرکزیت کے منصب میں شامل ہیں اور ان کو کس دلیل سے آپ منصب رسالت سے الگ کرتے ہیں؟

دوسرا سوال ”مرکزیت“ کے تقرر کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تقرر کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے مرکزیت مقرر کرے۔ دوسری یہ کہ مسلمان اپنی مرضی سے اس کو منتخب کریں۔ تیسری یہ کہ وہ طاقت سے مسلط ہو کر زبردستی

مرکز ملت بن جائے اب سوال یہ ہے کہ ”مرکز ملت“ سے خواہ کچھ بھی مراد ہو، اس منصب پر حضور کا تقرر ان تینوں صورتوں میں سے آخر کس صورت پر ہوا تھا؟ کیا یہ تقرر اللہ نے کیا تھا؟ یا مسلمانوں نے آپ کو اس منصب کے لیے منتخب کیا تھا؟ یا حضور خود مرکز ملت بن گئے تھے؟ ان میں سے جو شق بھی آپ اختیار کرتے ہیں اس کی تصریح ہونی چاہیے اور اسی طرح یہ تصریح بھی ہونی چاہیے کہ حضور کے بعد جو بھی ”مرکز ملت“ بنے گا وہ خداوند عالم کی طرف سے نامزد اور مامور کیا ہوا ہوگا؟ یا مسلمان اس کو مرکز بنائیں گے؟ یا خود اپنے زور سے مرکز بن جائے گا؟ اگر دونوں کے طریق تقرر میں آپ کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے تو صاف صاف یہ بات کہہ دیجیے تاکہ آپ کا موقف مبہم نہ رہے۔ اور اگر فرق ہے تو بتائیے کہ وہ کیا فرق ہے اور اس فرق سے دونوں قسم کے مرکروں کی حیثیت اور اختیارات میں بھی کوئی بنیادی فرق واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ ”پہنچانے والے کا مقام بہت آگے ہوتا ہے“ فرما کر آپ نے ازراہِ کرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے ”مرکز ان ملت“ پر جو فوقیت عطا فرمائی ہے یہ محض درجے اور مرتبے کی فوقیت ہے یا آپ کے نزدیک دونوں کے منصبوں کی نوعیت میں بھی کوئی فرق ہے؟ زیادہ واضح الفاظ میں میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ کے خیال میں وہ سب اختیارات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”مرکز ملت“ کی حیثیت سے حاصل تھے، آپ کے بعد ”مرکز ملت“ بننے والے کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں؟ اور کیا باعتبار اختیارات دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں؟ اور کیا دوسروں پر حضور کی فوقیت بس اتنی ہی ہے کہ آپ بعد والے مرکز کی نسبت کچھ زیادہ احترام کے مستحق ہیں کیونکہ آپ نے قرآن پہنچایا ہے۔ اگر یہ آپ کا خیال ہے تو بتائیے کہ حضور کے بعد بننے والے یا بنائے جائے والے مرکز کی حیثیت بھی کیا رہی ہے کہ اس کے فیصلے سے سرتابی کرنا تو درکنار اس کے خلاف دل میں تنگی محسوس کرنے سے بھی باز رہیں؟

بھی یہی ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں اپنا فیصلہ دے دے تو مسلمانوں کو اس سے مختلف کوئی راستے رکھنے تک کا حق باقی نہ رہے؛ کیا اس کا مقام بھی یہی ہے کہ اس کے ساتھ مسلمان کوئی نزاع نہیں کر سکتے اور اس کے فرمان کو بے چون و چرا تسلیم کر لینے کے سوا امت کے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے اگر وہ مومن رہنا چاہتی ہو؛ کیا وہ زندہ شخصیت یا شخصیتیں جو ”مرکزیت“ بنیں یا بنائی جاتیں، اسوہ حسنہ بھی ہیں کہ مسلمان ان کی زندگیوں کو دیکھیں اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالتے چلے جاتیں؛ کیا وہ بھی ہمارے تزکیے اور تعلیم کتاب و حکمت اور تشریح ما انزل اللہ کے لیے ”مبعوث“ ہوئے ہیں کہ مستند ہوان کا فرمایا ہوا؛

کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ان سوالات پر ذرا تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں تاکہ اس ”مرکزیت“ کی ٹھیک ٹھیک پوزیشن سب کے سامنے آجائے جس کا ہم بہت دنوں سے چرچا میں رہے ہیں۔

۶۔ کیا حضور صرف قرآن پہنچانے کی حد تک نبی تھے؛ آپ کا چھٹا نکتہ آپ کے اپنے الفاظ میں ہے:

”آپ کا اگلا سوال یہ ہے کہ جو کام حضور نے تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں سرانجام دیتے ان میں آنحضرت کی پوزیشن کیا تھی؛ میرا جواب یہ ہے کہ حضور نے جو کچھ کر کے دکھایا وہ ایک بشر کی حیثیت سے لیکن ما انزل اللہ کے مطابق کر کے دکھایا۔ میرا یہ جواب کہ حضور کے فرائض رسالت کی سرانجام دہی ایک بشر کی حیثیت سے تھی میرے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ خود کتاب اللہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضور نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔“

اس عبارت میں آپ نے میرے جس سوال کا جواب دیا ہے وہ دراصل یہ تھا کہ اس پیغمبرانہ زندگی میں حضور نے قرآن پہنچانے کے سوا دوسرے جو کام کیے تھے وہ آیا نبی ہونے کی حیثیت میں کیے تھے جن میں آپ قرآن محمد کی طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی کی نمائندگی

کرتے تھے، یا ان کاموں میں آپ کی حیثیت محض ایک عام مسلمان کی سی تھی؟ اس کا جواب آپ یہ دیتے ہیں کہ یہ کام حضورؐ نے بشر کی حیثیت سے کیے تھے لیکن ما انزل اللہ کے مطابق کیے تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن پہنچا دینے کی حد تک نبی تھے، اس کے بعد ایک قائد و رہنما، ایک معلم، ایک مربی، ایک مفتی، ایک جج اور ایک فرمانروا ہونے کی حیثیت میں آپؐ نے جو کچھ بھی کیا اس میں آپؐ کا مقام ایک نبی کا نہیں بلکہ ایک ایسے عام انسان کا تھا جو قرآن کے مطابق عمل کرتا ہو۔ آپؐ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن نے حضورؐ کی ہی حیثیت بیان کی ہے۔ لیکن اس سے پہلے قرآن کی جو صریح آیات میں نے نقل کی ہیں ان کو پڑھنے کے بعد کوئی ذی فہم آدمی یہ نہیں مان سکتا کہ قرآن نے واقعی حضورؐ کو یہ حیثیت دی ہے

آپ قرآن سے یہ ادھوری بات نقل کر رہے ہیں کہ حضور بار بار اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فرماتے تھے پوری بات جو قرآن نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے بشر ہیں جسے رسول بنایا گیا ہے۔ رَقُلُ بُنْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا اور حضور ایک ایسے بشر ہیں جس پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے رَقُلُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ۔ کیا آپؐ ایک عام بشر اور رسالت و وحی پانے والے بشر کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں سمجھتے؟ جو بشر خدا کا رسول ہو وہ تو لامحالہ خدا کا نمائندہ ہے، اور جس بشر کے پاس وحی آتی ہو وہ خدا کی براہ راست ہدایت کے تحت کام کرتا ہے اس کی حیثیت اور ایک عام بشر کی حیثیت یکساں کیسے ہو سکتی ہے۔

آپ جب یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ ما انزل اللہ کے مطابق کام کرتے تھے تو آپؐ کا مطلب ما انزل اللہ سے صرف قرآن ہوتا ہے۔ اس لیے آپؐ لفظاً ایک حق بات مگر معنی ایک باطل بات کہتے ہیں۔ بلاشبہ حضورؐ ما انزل اللہ کے مطابق کام کرتے تھے، مگر آپؐ کے اوپر صرف وہی وحی نازل نہیں ہوتی تھی جو قرآن میں آتی ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی آپؐ کو

وحی کے ذریعہ سے احکام ملتے تھے۔ اس کا ایک ثبوت میں آپ کے چوتھے نکتے کا جواب دیتے ہوئے پیش کر چکا ہوں۔ مزید ثبوت انشاء اللہ آپ کے دسویں نکتے کی بحث میں دوں گا۔  
۷۔ حضور کی اجتہادی لغزشوں سے غلط استدلال | اساتواں نکتہ آپ کے یہ ارشاد فرمایا ہے:

”قرآن کی آیات سے واضح ہے کہ حضور نظام مملکت کی سرانجام دہی میں ایک بشر کی حیثیت رکھتے تھے اور کبھی کبھی آنحضرت سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں۔ قُلْ إِن صَنَعْتُ فَإِنَّمَا أَصِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فِيمَا يُؤْتِي إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ (۲۵)“ اگر یہ اجتہادی غلطیاں ایسی ہوتیں جن کا اثر دین کے اہم گوشے پر پڑتا تو خدا کی طرف سے اس کی تادیب بھی آ جاتی جیسے کہ ایک جنگ کے موقع پر بعض لوگوں نے پیچھے رہنے کی اجازت چاہی اور حضور نے دیدی۔ اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَا أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَذِبِينَ (۹)۔ اسی طرح سورہ تحریم میں تادیب آگئی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (۶۱)۔ اسی طرح سورہ عبس میں ہے عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يُزَكَّىٰ أَوْ يَذْكُرُ فَتَنَفَعَهُ الْذِكْرُ ۖ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأَنَّىٰ لَهُ تَصَدَّىٰ وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَنْزِلُ ۖ وَأَمَّا مَنِ جَاءَكَ يُسْعَىٰ وَهُوَ يَخْشَىٰ فَأَنَّىٰ عُنْدُكَ تَلَهَّىٰ (۳۱)“

۱۔ صحیح لفظ یوحٰی ہے نہ کہ یوحٰی

۲۔ حوالہ غلط ہے۔ یہ سورہ روم کی نہیں بلکہ سورہ سبا کی آیت ہے جس کا نمبر ۲۴ ہے۔

۳۔ یہ الفاظ بھی غلط نقل کیے گئے ہیں۔ صحیح لِمَا أَذِنْتَ لَهُمْ ہے۔

۴۔ صحیح لفظ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ہے نہ کہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ۔

۵۔ پورا فقرہ غلط نقل کیا گیا ہے۔ صحیح یہ ہے لَعَلَّهٗ يُزَكَّىٰ أَوْ يَذْكُرُ فَتَنَفَعَهُ الْذِكْرُ۔

یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے کہ کس قدر سرسری مطالعہ کی بنا پر لوگ کتنے بڑے اور نازک مسائل کے متعلق رائے قائم کرنے میں جھجھکتے ہیں۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک رسول بھی بھیجا اور پھر خود ہی اس کا اعتبار رکھونے اور اسے غلط کاروگراہ ثابت کرنے کے لیے یہ آیات بھی قرآن میں نازل کر دیں تاکہ کہیں لوگ اطمینان کے ساتھ اس کی پیروی نہ کرنے لگیں؟ کاش آپ نے قرآن کا آپریشن کرنے سے پہلے ان آیات پر اتنا ہی غور کر لیا ہوتا جتنا اپنے کسی مریض کی ایکس رے رپورٹ پر غور کرتے ہیں۔

پہلی آیت قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ سے آپ یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ خود قرآن کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی گمراہ بھی ہو جاتے تھے اور آپ کی زندگی دراصل ضلالت ہدایت کا مجموعہ تھی (معاذ اللہ)۔ یہ استدلال کرتے وقت آپ نے کچھ نہ دیکھا کہ یہ آیت کس سیاق و سباق میں آئی ہے۔ سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ پہلے کفار مکہ کا یہ الزام نقل فرماتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے اَفْتَدَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ بِهِ جِنَّةٌ (آیت ۸)۔ یہ شخص یا تو اللہ پر جان بوجھ کر بہتان گھڑتا ہے، یا یہ مجنون ہے۔ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے آیات ۴۴ تا ۵۵ میں الزام نمبر ۲ کے متعلق فرماتا ہے کہ تم لوگ فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر خالصتہ اللہ غور کرو، تمہارا دل خود گواہی دے گا کہ یہ شخص جو تمہیں اسلام کی تعلیم دے رہا ہے اس میں جنون کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد ان کے پہلے الزام (یعنی ”یہ شخص اللہ پر جان بوجھ کر بہتان گھڑتا ہے“) کے جواب میں اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ اے نبی ان سے کہو، اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ، ورحقیقت یہ سچا کلام میرا رب القا فرما رہا ہے۔ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلَى نَفْسِيْ۔ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں (جیسا کہ تم الزام لگا رہے ہو)، تو میری اس گمراہی کا وبال مجھ پر ہے۔ وَاِنْ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحِي اِلَيَّ رَبِّيْ۔ اور اگر میں راہِ راست پر ہوں تو اس وحی کی بنا پر ہوں جو میرا رب مجھ پر نازل کرتا ہے۔ اِنَّهُ سَمِيعٌ قَوِيْب۔ وہ سب کچھ سننے والا اور قریب ہے یعنی اس سے کچھ دُور نہیں ہے کہ میں گمراہ ہوں یا اس خدا

کی طرف سے ہدایت یافتہ۔ اس سیاق و سباق میں جو بات کہی گئی ہے اس کا آپ یہ مطلب لے رہے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے سامنے اپنے رسول سے یہ اعتراف کروادیا کہ واقعی میں کبھی گمراہ بھی ہو جاتا ہوں، مگر کبھی سیدھے راستے پر بھی چل لیتا ہوں۔ سبحان اللہ، کیا خوب قرآن فہمی ہے۔

دوسری آیات جو آپؐ پیش فرماتی ہیں ان سے آپؐ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلوں میں بہت سی غلطیاں کی تھیں جن میں سے اللہ میاں نے بطور نمونہ یہ دو چار غلطیاں پکڑ کر بتا دیں تاکہ لوگ ہوشیار ہو جائیں۔ حالانکہ دراصل ان سے نتیجہ بالکل برعکس نکلتا ہے۔ ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ سے اپنی پوری پیغمبرانہ زندگی میں بس وہی چند لغزشیں ہوئی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے فوراً اصلاح فرمادی، اور اب ہم پورے اطمینان کے ساتھ اُس پوری سنت کی پیروی کر سکتے ہیں جو آپؐ ثابت ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی اور لغزش ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی برقرار نہ رہنے دیتا جس طرح ان لغزشوں کو اس نے برقرار نہیں رہنے دیا۔

پھر آپؐ کچھ تو سوچا ہوتا کہ وہ لغزشیں ہیں کیا جن پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے نبی کو ٹوکا ہے۔ جنگ میں فوجی خدمت سے استثناء کی درخواست پر کسی کو مستثنیٰ کر دینا کسی حلال چیز کو نہ کھانے کا عہد کر لینا، ایک صحبت میں چند اہم شخصیتوں کو دین کی دعوت دیتے ہوئے بظاہر ایک غیر اہم شخصیت کی طرف توجہ نہ کرنا، کیا یہ ایسے ہی بُرے معاملات ہیں جن کا دین کے اہم گوشوں پر اثر پڑتا ہے؟ کونسا ایسا لیڈر، یا فرمانروا، یا آپؐ کی اصلاح خاص میں ”مرکزِ ملت“ ہے جس کی زندگی میں بارہا اس طرح کے، بلکہ اس سے بہت زیادہ بُرے معاملات نہ پیش آتے ہوں؟ پھر کیا ان لغزشوں کی تصحیح کے لیے ہمیشہ آسمان ہی سے وحی اُترا کرتی ہے؟ آخر وہ کیا خاص وجہ ہے کہ اتنی معمولی لغزشیں جب رسولِ پاکؐ سے صادر ہوئیں تو فوراً ان کی اصلاح کے لیے کتاب میں ثبت کر دیا گیا؟ آپؐ

اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ رسالت کے منصب کو سمجھنے میں آپ نے کتنی بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ کوئی رئیس، یا لیڈر یا مرکز ملت اللہ تعالیٰ کا نمائندہ نہیں ہوتا۔ اس کا مقرر کیا ہوا شارع (LAW GIVER) اور اس کا مامور کیا ہوا نمونہ تقلید نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی کوئی بڑی سے بڑی غلطی بھی قانونِ اسلامی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے خدا کی شریعت کے اصول نہیں بدل سکتے۔ لیکن رسولِ پاک چونکہ خدا کے اپنے اعلان کی رو سے دنیا کے سامنے مرضاتِ الہی کی نمائندگی کرتے تھے اور خدا نے خود اہل ایمان کو حکم دیا تھا کہ تم ان کی اطاعت اور ان کا اتباع کرو، جو کچھ یہ حلال کہیں اے حلال مانو اور جو کچھ یہ حرام قرار دے دیں اسے حرام مان لو، اس لیے ان کے قول و عمل میں یہ چھوٹی لغزشیں بھی بہت بڑی تھیں، کیونکہ وہ ایک معمولی بشر کی لغزشیں نہ تھیں، بلکہ اُس شارعِ مجاز کی لغزشیں تھیں جس کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمہ لی تھی کہ اپنے رسول کو ٹھیک راستے پر قائم رکھے گا۔ ان کو غلطیوں سے محفوظ کر دیگا، اور ان سے ذرا سی چوک بھی ہو جائے تو وحی کے ذریعہ سے اس کی اصلاح فرما دیگا۔

۸۔ موہوم خطرات | آٹھویں نکتے میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر حضورؐ نے یہ سارا کام بشر یعنی ایک عام غیر معصوم بشر کی حیثیت سے نہیں بلکہ نبی کی حیثیت سے کیا ہوتا تو اس سے لازماً دو نتائج پیدا ہوتے۔ ایک یہ کہ حضورؐ کے بعد اس کام کو جاری رکھنا غیر ممکن تصور کیا جاتا اور لوگ یہ سمجھتے کہ جو نظامِ زندگی حضورؐ نے قائم کر کے چلا دیا اسے قائم کرنا اور چلانا عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسرا نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ اس کام کو چلانے کے لیے لوگ حضورؐ کے بعد بھی نبیوں کے آنے کی ضرورت محسوس کرتے۔ ان دونوں خطرات سے بچنے کی واحد صورت آپ کے نزدیک یہ ہے کہ تبلیغِ قرآن کے ماسوا حضورؐ کے باقی پورے کارنامہ زندگی کو رسول اللہ کا نہیں بلکہ نبیوں کا مانا جائے۔ اسی سلسلے میں آپ

یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے رسول کا کارنامہ سمجھنا ختم نبوت کے عقیدے کی بھی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ اگر حضورؐ نے یہ سارا کام وحی کی رہنمائی میں کیا ہے تو پھر ویسا ہی کام کرنے کے لیے ہمیشہ وحی آنے کی ضرورت رہے گی، ورنہ دین قائم نہ ہوگا۔

یہ آپؐ نے جو کچھ فرمایا ہے، قرآن اور اس کے نزول کی تاریخ سے آنکھیں بند کر کے اپنے ہی مفروضات کی دنیا میں گھوم پھر کر سوچا اور فرما دیا ہے۔ آپؐ کی ان باتوں سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپؐ کی نگاہ سے قرآن کی بس وہی آیتیں گزری ہیں جو مخالفین سنتؐ اپنے ٹیر پچر میں ایک مخصوص نظریہ ثابت کرنے کے لیے نقل کی ہیں، اور انہی کو ایک خاص ترتیب سے جوڑ جا کر ان لوگوں نے جو نتائج نکال لیے ہیں ان پر آپؐ ایمان سے آئے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی اور آپؐ ایک مرتبہ بھی پورا قرآن سمجھ کر پڑھا ہوتا تو آپؐ کو معلوم ہو جاتا کہ جو خطرات آپؐ کے نزدیک سیرت پاکؐ کو سنتؐ رسولؐ ماننے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں وہی سب خطرات قرآن کو وحی الہی ماننے سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن خود اس بات پر شاہد ہے کہ یہ پوری کتاب ایک ہی وقت میں بطور ایک کتاب آیتیں کے نازل نہیں ہو گئی تھی بلکہ یہ ان وحیوں کا مجموعہ ہے جو ایک تحریک کی رہنمائی کے لیے ۲۳ سال تک تحریک کے ہر مرحلے میں ہر اہم موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی رہی ہیں۔ اس کو پڑھتے ہوئے صاف محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے ایک برگزیدہ انسان اسلامی تحریک کی قیادت کے لیے مبعوث ہوا ہے اور قدم قدم پر خدا کی وحی اس کی رہنمائی کر رہی ہے۔ مخالفین اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں اور جواب ان کا آسمان سے آتا ہے۔ طرح طرح کی فراہمیتیں راستے میں حاصل ہوتی ہیں اور تدبیر اوپر سے بتائی جاتی ہے کہ یہ فراہمیت اس طرح سے ڈور کر دو اور اس مخالفت کا یوں مقابلہ کرو۔ پیروں کو طرح طرح کی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے اور ان کا حل اوپر سے بتایا جاتا ہے کہ تمہاری فلاں مشکل یوں دور ہو سکتی ہے اور © rasailojaraid.com بتی ہے۔ پھر یہ تحریک جب ترقی

کرتے ہوتے ایک ریاست کے مرحلے میں داخل ہوتی ہے تو جدید معاشرے کی تشکیل اور ریاست کی تعمیر کے مسائل سے لیکر منافقین اور یہود اور کفار عرب سے کشمکش تک جتنے معاملات بھی دس سال کی مدت میں پیش آتے ہیں ان سب میں وحی اس معاشرے کے معمار اور اس ریاست کے فرمانروا اور اس فوج کے سپہ سالار کی رہنمائی کرتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس تعمیر اور کشمکش کے ہر مرحلے میں جو مسائل پیش آتے ہیں ان کو حل کرنے کے لیے آسمان سے ہدایات آتی ہیں بلکہ کوئی جنگ پیش آتی ہے تو اس پر لوگوں کو ابھارنے کے لیے سپہ سالار کو خطبہ آسمان سے ملتا ہے۔ تحریک کے کارکن کہیں کمزوری دکھاتے ہیں تو ان کی فہمائش کے لیے تقریر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ نبی کی بیوی پر دشمن تہمت رکھتے ہیں تو اس کی صفائی آسمان سے آتی ہے۔ منافقین مسجد ضرار بناتے ہیں تو اس کے ٹوڑنے کا حکم وحی کے ذریعہ سے دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ جنگ پر جانے سے جی چڑاتے ہیں تو ان کے معاملہ کا فیصلہ براہ راست اللہ میاں کر کے بھیجتے ہیں۔ کوئی شخص دشمن کو جاسوسی کا خط لکھ بھیجتا ہے تو اس سے نمٹنے کے لیے بھی اللہ میاں خود توجہ فرماتے ہیں۔

اگر واقعی آپ کے نزدیک یہ بات مایوس کن ہے کہ دین کو قائم کرنے کے لیے جو اولین تحریک اٹھے اس کی رہنمائی وحی کے ذریعہ سے ہو تو یہ مایوسی کا سبب تو خود قرآن میں موجود ہے۔ ایک شخص آپ کا نقطہ نظر اختیار کرنے کے بعد تو کہہ سکتا ہے کہ جس دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کے پیدے قدم سے لے کر کامیابی کی آخری منزل تک ہر ضرورت اور ہر نازک موقع پر قائد تحریک کی رہنمائی کرنے کے لیے خدا کی آیات اترتی ہی ہوں اسے اب کیسے قائم کیا جاسکتا ہے جب تک کہ اسی طرح نظام دین کے قیام کے لیے سعی و جہد کرنے والے ”مرکزیت“ کی مدد کے لیے بھی آیات الہی نازل ہونے کا سلسلہ نہ شروع ہو۔ اس نقطہ نظر سے تو اللہ میاں کے لیے صحیح طریق کار یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرر کی پہلی تاریخ کو ایک مکمل نظام دین آپ کے ہاتھ میں دے دی جاتی جس

میں اللہ تعالیٰ انسانی زندگی کے مسائل کے متعلق اپنی تمام ہدایات بیک وقت آپ کو دے دیتا۔ پھر ختم نبوت کا اعلان کر کے فوراً ہی حضورؐ کی اپنی نبوت بھی ختم کر دی جاتی۔ اس کے بعد یہ محمد رسول اللہ کا نہیں بلکہ محمد بن عبد اللہ کا کام تھا کہ غیر نبی ہونے کی حیثیت سے اس کتابِ آئین کو لے کر جدوجہد کرتے اور مآزل اللہ کے مطابق ایک معاشرہ اور ریاست قائم کر دکھاتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں کو ہر وقت صحیح مشورہ نہ مل سکا اور وہ ایسا نامناسب طریقہ اختیار کر گئے جو مستقبل میں قیامِ دین کے امکان سے ہمیشہ کے لیے مایوس کر دینے والا تھا! غضب تو یہ ہے کہ وہ اس مصلحت کو اس وقت بھی نہ سمجھے جب انہوں نے ختم نبوت کا اعلان فرمایا۔ یہ اعلان سورہ احزاب میں کیا گیا ہے جو اس زمانہ سے متصل نازل ہوئی ہے جبکہ حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی اور پھر ان کی مطلقہ سے نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الہی نکاح کیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد کئی سال تک حضورؐ مرکزِ قلت رہے اور ختم نبوت کا اعلان ہو جانے کے باوجود نہ حضورؐ کی نبوت ختم کی گئی اور نہ وحی کے ذریعہ سے آپ کی رہنمائی کرنے کا سلسلہ بند کیا گیا!

آپ کو اللہ میاں کی اسکیم سے اتفاق ہو یا اختلاف، بہر حال قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ان کی اسکیم ابتداء ہی سے یہ نہیں تھی کہ نوعِ انسانی کے ہاتھ میں ایک کتاب تھا دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اس کو دیکھو دیکھو کہ اسلامی نظامِ زندگی خود بنا لے۔ اگر یہی ان کی اسکیم ہوتی تو ایک بشر کا انتخاب کر کے چپکے سے کتاب اس کے حوالہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے لیے تو اچھا طریقہ یہ ہوتا کہ ایک کتاب چھاپ کر اللہ میاں تمام انسانوں تک براہِ راست بھیج دیتے اور دیا چہ میں یہ ہدایت لکھ دیتے کہ میری اس کتاب کو پڑھو اور نظامِ حق برپا کر لو۔ لیکن انہوں نے یہ طریقہ پسند نہیں کیا۔ اس کے بجائے جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ ایک بشر کو رسول بنا کر اٹھایا اور اس کے ذریعہ سے اصلاح و انقلاب کی ایک تحریک اٹھوائی۔

اس تحریک میں اصل عامل کتاب نہ تھی بلکہ وہ زندہ انسان تھا جسے تحریک کی قیادت پر مامور کیا گیا تھا۔ اس انسان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نگرانی و ہدایت میں ایک مکمل نظام فکر و اخلاق، نظام تہذیب و تمدن، نظام عدل و قانون اور نظام معیشت و سیاست بنوا کر اور چلو کر ہمیشہ کے لیے ایک روشن نمونہ (اسوۂ حسنہ) دنیا کے سامنے قائم کر دیا تاکہ جو انسان بھی اپنی صلاح چاہتے ہوں وہ اس نمونے کو دیکھ کر اس کے مطابق اپنا نظام زندگی بنانے کی کوشش کریں۔ نمونے کا ناقص رہ جانا لازماً ہدایت کے نقص کو مستندم ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نمونے کی چیز براہ راست اپنی ہدایات کے تحت بنوائی۔ اس کے معمار کو نقشہ تعمیر بھی دیا اور اس کا مطلب بھی خود سمجھایا۔ اس کو تعمیر کی حکمت بھی سکھائی اور عمارت کا ایک ایک گوشہ بناتے وقت اس کی نگرانی بھی کی تعمیر کے دوران میں وحی جلی کے ذریعہ سے بھی اس کو رہنمائی دی اور وحی خفی کے ذریعہ سے بھی کہیں کوئی اینٹ رکھنے میں اس سے ذرا سی چوک بھی ہو گئی تو فوراً ٹوک کر اس کی اصلاح کر دی تاکہ جس عمارت کو ہمیشہ کے لیے نمونہ بننا ہے اس میں کوئی ادنیٰ سی خامی بھی نہ رہ جائے۔ پھر جب اس معمار نے اپنے آقا کی ٹھیک ٹھیک مرضی کے مطابق یہ کار تعمیر لوپا کر دیا تب دنیا میں اعلان کیا گیا کہ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَنْتُمْ عَلَيَكُمْ بِعَاقِبَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اس طریق کار نے حقیقتہً امت میں کوئی مایوسی پیدا نہیں کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب وحی الہی کا دروازہ بند ہو گیا تو کیا خلفائے راشدین نے پے درپے اٹھ کر وحی کے بغیر اس نمونے کی عمارت کو قائم رکھنے اور آگے اسی نمونے پر وسعت دینے کی کوشش نہیں کی؟ کیا وقتاً فوقتاً صالح فرمانروا بھی اور مصلحین امت بھی اس نمونے کی پیروی کرنے کے لیے دنیا کے مختلف گوشوں میں نہیں اٹھتے رہے؟ ان میں سے آخر کس نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وحی کی رہنمائی میں یہ کام کر گئے، اب یہ ہمارے بس کاروگ نہیں ہے؟ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ کا براہ احسان ہے کہ اس نے تاریخ انسانی

میں اپنے رسول کے عملی کارنامے سے روشنی کا ایک مینا رکھڑا کر دیا ہے جو صدیوں سے انسان کو صحیح نظام زندگی کا نقشہ دکھا رہا ہے اور قیامت تک دکھاتا رہے گا۔ آپ کا جی چاہے تو اس کے تسکین گزار ہوں۔ اور جی چاہے تو اس کی روشنی سے آنکھیں بند کر لیں۔

**۹۔ خلفائے راشدین پر متہان | آپ کا نکتہ نمبر ۹ یہ ہے :**

”حضرات خلفائے کرام اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وحی الکتاب کے اندر محفوظ ہے اور اس کے بعد حضور جو کچھ کرتے تھے باہمی مشاورت سے کرتے تھے۔ اس لیے حضور کی وفات کے بعد نظام میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ سلطنت کی وسعت کے ساتھ تقاضے بڑھتے گئے اس لیے آئے دن نئے نئے امور سامنے آتے تھے جن کے تصفیہ کے لیے اگر کوئی پہلا فیصلہ مل جاتا جس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہوتی تو اسے علیٰ حالہ قائم رکھتے تھے۔ اگر اس میں تبدیلی کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے تبدیلی کر لیتے۔ اور اگر نئے فیصلے کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے نیا فیصلہ کر لیتے۔ یہ سب کچھ قرآن کی روشنی میں ہوتا تھا۔ یہی طریقہ رسول اللہ کا تھا۔ اور اسی کو حضور کے جانشینوں نے قائم رکھا۔ اسی کا نام اتباع رسول تھا۔“

اس عبارت میں آپ کے پے درپے متعدد غلط باتیں فرماتی ہیں۔ آپ کی پہلی غلط بیانی یہ ہے کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے تھے باہمی مشاورت سے کرتے تھے۔ حالانکہ مشاورت حضور نے صرف تدابیر کے معاملے میں کی ہے اور وہ بھی اُن تدابیر کے معاملے میں جن کے اختیار کرنے کا حکم آپ کو وحی سے نہیں ملا ہے۔ قرآن کی تعبیر و تفسیر، اور اس کے کسی لفظ یا فقرے کا نثر شخص کرنے میں حضور نے کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس معاملہ میں آپ کی اپنی ہی شرح قطعی ناطق غی۔ اسی طرح آپ کے پورے عہد رسالت میں کبھی یہ طے کرنے کے لیے کوئی مشاورت نہیں ہوئی کہ لوگوں کے لیے کس چیز کو فرض و واجب، کس چیز کو حلال و جائز، اور کس چیز کو ممنوع و حرام ٹھہرایا جائے۔ اور معاشرے میں کیا قاعدے اور اصول بنائے جائیں۔ حضور کی حیات طیبہ میں تنہا آپ

کی زبان اور آپ کی عملی زندگی ہی مجلیہ تھی۔ کوئی مومن یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ان معاملات میں حضور کے سامنے زبان کھولنے کا مجاز ہے۔ کیا آپ کوئی مثال ایسی پیش کر سکتے ہیں کہ عہد رسالت میں قرآن کے کسی حکم کی تعبیر مشورے سے کی گئی ہو، یا کوئی قانون مشورے سے بنایا گیا ہو؟ بہت سی نہیں، صرف ایک مثال ہی آپ پیش فرمادیں۔

دوسری خلاف واقعہ بات آپ یہ فرما رہے ہیں کہ خلفائے راشدین صرف قرآن کو منبع ہدایت سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کو واجب الاتباع مآخذ قانون نہیں سمجھتے تھے یہ ان بزرگوں پر آپ کا سخت بہتان ہے جس کے ثبوت میں نہ آپ ان کا کوئی قول پیش کر سکتے ہیں نہ عمل۔ اگر اس کا کوئی ثبوت آپ کے پاس ہے تو وہ سامنے لائیے۔ ان کے طرز عمل کی جو شہادتیں ان کے زمانے سے متصل لوگوں نے دی ہیں وہ تو یہ ہیں:-

ابن سیرین (۳۳۰ھ - ۴۰۵ھ) کہتے ہیں کہ ”ابوبکر کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا اور وہ نہ کتاب اللہ میں اس کے لیے کوئی حکم پاتے، نہ سنت میں اس کی کوئی تطبیق تھی تب وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتے اور فرماتے یہ میری رائے ہے، اگر صحیح ہے تو اللہ کا فضل ہے۔“ (ابن قیم، اعلام المتقین، جلد ۱، ص ۵۴)۔

میمون بن مہران (۳۷۰ھ - ۴۱۷ھ) کہتے ہیں: ”ابوبکر صدیق کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی معاملہ کا فیصلہ انہیں کرنا ہوتا تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھتے، اگر وہاں اس کا حکم نہ ملتا تو سنت رسول اللہ میں تلاش کرتے۔ اگر وہاں حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اور اگر انہیں اس مسئلے میں سنت کا علم نہ ہوتا تو لوگوں سے پوچھتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس طرح کے کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ فرمایا؟“ (کتاب مذکور، صفحہ ۶۲)

علامہ ابن قیم نے پوری تحقیق کے بعد اپنا نتیجہ تحقیق یہ بیان کیا ہے کہ لا یحفظ للصدیق

خلاف نص واحد ابداً۔ ابوبکر صدیق کی زندگی میں کسی خلاف ورزی کی ایک مثال بھی

نہیں ملتی : کتاب مذکور ج ۴، ص ۱۲۰

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دادی اپنے پوتے کی میراث کا مطالبہ لے کر آئی جس کی ماں چکی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں پاتا جس کی رُو سے تجھ کو ماں کا حصہ پہنچتا ہو۔ پھر انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس معاملہ میں کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ اس پر یثیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ نے اٹھ کر شہادت دی کہ حضورؐ نے دادی کو چھٹا حصہ (یعنی حصہ مادری) دلوا دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا۔  
رنجاری و مسلم،

موظا میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو اپنی زندگی میں کچھ مال دینے کے لیے کہا تھا، مگر انہیں یہ یاد نہ تھا کہ یہ مال ان کے حوالہ کر دیا گیا تھا یا نہیں۔ وفات کے وقت آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ مال تم سے چکی ہو تب تو وہ تمہارے پاس رہے گا (کیونکہ وہ ہبہ ہو گیا)، لیکن اگر ابھی تک تم نے اسے قبضہ میں نہیں لیا ہے تو اب وہ میرے سب وارثوں میں تقسیم ہو گا (کیونکہ اس کی حیثیت ہبہ کی نہیں بلکہ وصیت کی ہے اور حدیث لا وصیۃ لوارث کی رُو سے وارث گئے حق میں کوئی وصیت میت کے ترکے میں نافذ نہیں ہو سکتی تھی)۔ اس طرح کی بکثرت مثالیں خلیفہؓ اول کی زندگی میں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بال برابر ٹہنا بھی جائز نہ رکھتے تھے۔

کون نہیں جانتا کہ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا اولین اعلان یہ تھا کہ اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فات عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں۔ لیکن اگر میں اللہ

۱۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ اور رسول کے الفاظ آتے ہیں ان سے مراد مرکزیت ہے لیکن یہ نکتہ حضرت ابو بکرؓ کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ بچا رہے ہی سمجھتے رہے کہ میں مرکزیت ربانی ص ۶۶

اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے یہ کس کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی وفات کے بعد حبش اسامہؓ کو صرف اس لیے بھیجنے پر اصرار کیا کہ جس کام کا فیصلہ حضورؐ اپنی زندگی میں کر چکے تھے اسے بدل دینے کا وہ اپنے آپ کو مجاز نہ سمجھتے تھے صحابہ کرام نے جب اُن خطرات کی طرف توجہ دلائی جن کا طوفان عرب میں اٹھتا نظر آ رہا تھا اور اس حالت میں شام کی طرف فوج بھیج دینے کو نامناسب قرار دیا، تو حضرت ابوبکرؓ کا جواب یہ تھا کہ لو خطفتنی الکلاب والذئاب لمراد قضاء قضی بہ رسول اللہ ﷺ اگر کتے اور بھیرے بھی مجھے اچکے لے جائیں تو میں اُس فیصلے کو نہ بدلوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے خواہش ظاہر کی کہ کم از کم اسامہؓ ہی کو اس لشکر کی قیادت سے ہٹا دیں کیونکہ بڑے بڑے صحابہ اس نو جوان لڑکے کی ماتحتی میں رہنے سے خوش نہیں ہیں، تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا: تکلک امک وعدمتک یا ابن الخطاب، استعملد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونامونی ان انزعہ۔ خطاب کے بیٹے، تیری ماں تجھے روئے اور تجھے کھودے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر کیا اور تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں اسے ہٹا دوں۔ اس موقع پر لشکر کو روانہ کرتے ہوئے جو تقریر انہوں نے کی اس میں فرمایا: انما انا متبع لست بمتدع۔ میں تو پیروی کرنے والا ہوں۔ نیا راستہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ پھر کس سے یہ قلعہ پوشیدہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ کے مطالبہ میراث کو ابوبکر صدیقؓ نے حدیث رسول اللہ ہی کی بنیاد پر قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور اس "قصو" پر وہ آج تک گالیاں کھا رہے ہیں۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جب وہ جہاد کا فیصلہ کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ (تقیہ حاشیہ ۹۵) ہونے کی حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول کا تابع فرمان ہوں۔ اگر کہیں خلیفہ اول کی بیعت کے وقت "طلوع اسلام" رونما ہو چکا ہو تو وہ ان سے کہنا کہ اُسے مرکزِ ملت، اللہ اور رسول تو تم خود ہو تم کس اللہ اور رسول کی اطاعت کرو گے؟

جیسے شخص کو اس کی صحت میں اس لیے تاقل تھا کہ جو لوگ کلمہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں ان کے خلاف تلوار کیسے اٹھائی جاسکتی ہے۔ مگر اس کا جو جواب انہوں نے دیا وہ یہ تھا کہ واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدوندہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقاتنتہم علی منعدہ خدا کی قسم، اگر وہ اونٹ باندھنے کی ایک رستی بھی اُس زکوٰۃ میں سے رکھیں جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو میں اس پر ان سے ٹروں گا۔ یہ قول اور یہ عمل تھا اس شخص کا جس نے حضور کے بعد سب سے پہلے زمام کار سنبھالی تھی، اور آپ کہتے ہیں کہ خلفائے کرام اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے بدسننے کا مجاز سمجھتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا مسلک اس معاملے میں جو کچھ تھا اسے وہ خود قاضی شریح کے نام اپنے خط میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”اگر تم کوئی حکم کتاب اللہ میں پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور اگر کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں جو حکم ملے اس پر فیصلہ کرو۔ اور اگر معاملہ ایسا ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول اللہ میں تو اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کرو جس پر اجماع ہو چکا ہو لیکن اگر کسی معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں خاموش ہوں اور تم سے پہلے اس کے متعلق کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو پیش قدمی کر کے اپنی اجتہادی رائے سے فیصلہ کرو یا پھر حکم انتظار کرو۔ اور میرے نزدیک تمہارا انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے۔“

(اعلام الموقعین، جلد ۴۱-۴۲)

یہ حضرت عمرؓ کا اپنا لکھا ہوا سرکاری ہدایت نامہ ہے جو انہوں نے خلیفہ وقت کی حیثیت

سے یعنی اس بات کا انتظار کرو کہ اس معاملہ میں کوئی اجماعی فیصلہ ہو جائے۔

سے مضابطہ عدالت کے متعلق کوئٹہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کو بھیجا تھا۔ اس کے بعد کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے مسلک کی کوئی دوسری ترجمانی کرے۔

[حضرت عمرؓ کے بعد تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ ہیں بیعت کے بعد اولین خطبہ جو انہوں نے دیا اس میں وہ علی الاعلان تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خبردار رہو، میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔

میرے اوپر کتاب اللہ اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کے بعد تمہارے تین

حق ہیں جن کی میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ ایک یہ کہ میرے پیش رو خلفاء کے زمانے میں

تمہارے اتفاق و اختلاف سے جو فیصلے اور طریقے طے ہو چکے ہیں ان کی پیروی کرونگا۔

دوسرے یہ کہ جو امور اب اہل خیر کے اجتماع و اتفاق سے طے ہونگے ان پر عمل درآمد

کرونگا۔ تیسرے یہ کہ تمہارے اوپر دوست درازی کرنے سے باز رہوں گا جب

تک کہ تم از روئے قانون مواخذہ کے مستوجب نہ ہو جاؤ۔“ (تاریخ طبری جلد ۴ ص ۴۴)

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں۔ انہوں نے خلیفہ ہونے کے بعد اہل مصر سے بیعت لینے

کے لیے اپنے گورنر حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کے ہاتھ جو سرکاری فرمان بھیجا تھا اس میں

وہ فرماتے ہیں:

”خبردار رہو، ہمارے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس

کے رسول کی سنت کے مطابق عمل کریں، اور تم پر وہ حق قائم کریں جو کتاب و

سنت کی رو سے حق ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاری کریں

اور تمہاری بے خبری کی حالت میں بھی تمہارے ساتھ خیر خواہی کرتے رہیں۔“

(تاریخ طبری - جلد ۳ - ص ۵۵)

یہ چاروں خلفاء راشدین کے اپنے بیانات ہیں۔ آپ کن ”حضرات خلفاء کرام“

کا ذکر فرما رہے ہیں جو اپنے آپ کو سنت رسول اللہ کی پابندی سے آزاد سمجھتے تھے؟ اور ان کا یہ مسلک آپ کو کن ذرائع سے معلوم ہوا ہے؟ [

آپ کا یہ خیال بھی محض ایک دعویٰ بلا ثبوت ہے کہ خلفائے راشدین قرآن مجید کے احکام کو تو قطعی واجب الاطاعت مانتے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں جن کو وہ باقی رکھنا مناسب سمجھتے تھے انہیں باقی رکھتے تھے۔ اور جنہیں بدلنے کی ضرورت سمجھتے تھے انہیں بدل کر باہمی مشاورت سے نئے فیصلے کر لیتے تھے۔ آپ اس کی کوئی نظیر پیش فرمائیں کہ خلافت راشدہ کے پورے دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ بدلا گیا ہو، یا کسی خلیفہ یا صحابی نے یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ ہم حضور کے فیصلے حسب ضرورت بدل لینے کے مجاز ہیں۔

۱۰۔ کیا حضور پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی؟ اب صرف آپ کا آخری نکتہ باقی ہے جسے آپ ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں:

”اگر فرض کر لیا جائے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو اپنی طرف سے بھیجی ہوئی ایک قسم کی وحی پر دفعہ ذبا اللہ تسلی نہ ہوتی، چنانچہ دوسری قسم کی وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ یہ دورنگی وحی آخر کیوں؟ پہلے آنے والے نبیوں پر جب وحی نازل ہوتی تو اس میں نزول قرآن کی طرف اشارہ تھا۔ تو کیا اس اللہ کے لیے جو ہر چیز پر قادر ہے یہ بڑا مشکل تھا کہ دوسری قسم کی وحی، جس کا آپ ذکر کرتے ہیں، اس کا قرآن میں اشارہ کر دیتا۔ مجھے تو قرآن میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر آپ کسی آیت کی طرف اشارہ فرمائیں تو مشکور ہوں گا۔“

یہ تسلی کی بات بھی خوب ہے۔ گویا آپ کی راستے میں اللہ میاں بندوں کی ہدایت کے لیے نہیں بلکہ اپنی تسلی کے لیے وحی نازل فرماتے تھے، اور ان کی تسلی کے لیے بس ایک قسم کی

وحی کافی ہونی چاہیے تھی !

آپ تو ”دورنگی وحی“ پر ہی حیران ہیں، مگر آنکھیں کھول کر آپ نے قرآن پڑھا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ کتاب ”سہ رنگی وحی“ کا ذکر کرتی ہے جن میں سے صرف ایک ”رنگ“ کی وحی قرآن میں جمع کی گئی ہے :

کسی بشر کے لیے یہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے گفتگو کرے، مگر وحی کے طریقہ پر، یا پرے کے پیچھے سے، یا اس طرح کہ ایک پیغام بڑھجے اور وہ اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہتا ہو وہ برتر اور حکیم ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّبِينٍ (الشوریٰ - آیت ۵)

یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بشر پر احکام و ہدایات نازل ہونے کی تین صورتیں بتائی گئی ہیں۔ ایک براہ راست وحی (یعنی انقاء و الہام)، دوسرے پرے کے پیچھے سے کلام، تیسرے اللہ کے پیغام بردار (فرشتے) کے ذریعہ سے وحی۔ قرآن مجید میں جو وحیاں جمع کی گئی ہیں وہ ان میں سے صرف تیسری قسم کی ہیں۔ اس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے خود قرآن ہی میں فرمادی ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ... فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ (البقرہ - ۹۷-۹۸)

(اے نبی) کہو جو کوئی دشمن ہو جبریل کا اس بنا پر کہ اس نے یہ قرآن نازل کیا ہے تیرے قلب پر اللہ کے اذن سے تصدیق کرنا ہوا ان کتابوں کی جو اس کے آگے آتی ہوئی ہیں اور ہدایت و بشارت دیتا ہوا اہل ایمان کو... تو اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔

وَإِنَّهُ لَنَزَّلُ الْكِتَابَ بِالرُّوحِ الْأَمِينِ عَلَىٰ قَلْبِكَ

اور یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے جسے ”روح الامین“ اترا ہے تیرے قلب پر

لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُنْذِرِينَ (الشعراء ۱۹۳-۱۹۴) تاکہ تو متنبہ کرنے والوں میں سے ہو۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ قرآن صرف ایک قسم کی وحیوں پر مشتمل ہے۔ رسول کو ہدایات ملنے کی باقی دو صورتیں جن کا ذکر سورہ شوریٰ والی آیت میں کیا گیا ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اب خود قرآن ہی ہمیں بتاتا ہے کہ ان صورتوں سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایات ملتی تھیں۔ (۱) جیسا کہ میں آپ کے چوتھے نکتے پر بحث کرتے ہوئے بتا چکا ہوں، سورہ بقرہ کی آیت

۱۴۳-۱۴۴ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام کے قبلہ بنائے جانے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان کسی اور قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دیتے ہوئے اس بات کی توثیق فرمائی کہ وہ پہلا قبلہ جس کی طرف رخ کیا جاتا تھا، وہ بھی ہمارا ہی مقرر کیا ہوا تھا لیکن قرآن میں وہ آیت کہیں نہیں ملتی جس میں اُس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا ابتدائی حکم ارشاد فرمایا گیا ہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضور پر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں آتی تھی تو وہ حکم حضور کو کس ذریعہ سے ملا؟ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ حضور کو ایسے احکام بھی ملتے تھے جو قرآن میں درج نہیں ہیں؟

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں خواب دیکھتے ہیں کہ آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔ آپ اس کی خبر صحابہ کرام کو دیتے ہیں اور ۱۴ سو صحابیوں کو ملکہ عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ لکن آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ واقع ہوتی ہے۔ بعض صحابی اس پر غصہ میں پڑ جاتے ہیں اور حضرت عثمان کی ترجمانی کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے ہمیں خبر نہ دی تھی کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سفر میں ایسا ہو گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے :

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّوْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْمَحْرُومَ (الحجرات ۲۵) اللہ نے اپنے رسول کو یقیناً سچا خواب دکھایا۔

بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْمَحْرُومَ (الحجرات ۲۵) تاہم غرور مسجد حرام میں ان شاء اللہ داخل ہو جائے گا۔

شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَكُمْ وَ  
مُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ  
تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ  
مَثَحًا قَرِيبًا۔ (الفتح: آیت ۲۷)

امن کے ساتھ سر موڈتے ہوئے اور بال تراشتے  
ہوئے بغیر اس کے کہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہو اللہ  
کو علم تھا اُس بات کا جسے تم نہ جانتے تھے اس  
یسے اس سے پہلے اس نے یہ قریب کی فتح  
یعنی صلح حدیبیہ عطا کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو خواب کے ذریعہ سے مکہ میں داخل ہونے کا یہ طریقہ بتایا گیا  
تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ کی طرف جائیں، کفار روکیں گے، آخر کار صلح ہوگی جس کے  
ذریعہ سے دوسرے سال عمرہ کا موقع بھی ملے گا اور آئندہ کی فتوحات کا راستہ بھی کھل جائیگا۔  
کیا یہ قرآن کے علاوہ دوسرے طریقوں سے ہدایات ملنے کا کھلا ثبوت نہیں ہے؟

(۱۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی کو راز میں ایک بات بتاتے  
ہیں۔ وہ اس کا ذکر دوسروں سے کر دیتی ہیں حضورؐ جواب دیتے ہیں کہ مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے  
وَإِذْ أَسْرَأْتُ إِلَى بَعْضِ  
أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهِ وَ  
أَخْبَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَ  
أَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَأَ هَآئِلًا قَالَتْ  
مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيمُ  
الْخَبِيرُ۔ (التحریم: ۳)

اور جب کہ نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے راز میں  
ایک بات کہی، اور اس بیوی نے اس کی «دور»  
کو، خبر دیدی، اور اللہ نے نبیؐ کو اس پر مطلع کر  
دیا تو نبیؐ نے اس بیوی کو اس کے قصور کا ایک  
حصہ تو بتا دیا اور دوسرے حصہ سے درگزر  
کیا پس جب نبیؐ نے اس بیوی کو اس کا قصور  
بتایا تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے اس کی خبر  
دی؟ نبیؐ نے کہا مجھے علیم وخبیر خدا نے بتایا۔

فرمائیے کہ قرآن میں وہ آیت کہاں ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کو یہ اطلاع دی تھی کہ تمہاری بیوی نے تمہاری راز کی بات دوسروں سے کہہ دی ہے؟ اگر نہیں ہے

تو ثابت ہوا یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغامات بھیجتا تھا؟  
 (۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے زبید بن حارثہ اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہیں اور  
 اس کے بعد حضور ان کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اس پر منافقین اور منافقین حضور کے  
 خلاف پروپیگنڈے کا ایک شدید طوفان اٹھا کھڑا کرتے ہیں اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔

ان اعتراضات کا جواب اللہ تعالیٰ سورہ اخرا کے ایک پورے رکوع میں دیتا ہے اور اس  
 سلسلے میں لوگوں کو بتاتا ہے کہ ہمارے نبی نے یہ نکاح خود نہیں کیا ہے بلکہ ہماری حکم سے کیا ہے۔  
 فَسَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا  
 زَوَّجْنَاهَا بِكَ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
 حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا  
 مِنْهُنَّ وَطَرًا۔  
 پھر جب زبید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے اس  
 (خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ اہل ایمان کے  
 لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح  
 کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جبکہ وہ ان سے جی

(آیت ۳۷) بھر چکے ہوں (یعنی انہیں طلاق دے چکے ہوں)۔

یہ آیت تو گزرے ہوئے واقعہ کا بیان ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے اللہ  
 تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا تھا کہ تم زبید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لو  
 وہ قرآن میں کس جگہ ہے؟

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کی مسلسل بد عہدیوں سے تنگ آکر مدینہ سے متقل  
 ان کی بستیوں پر چڑھائی کر دیتے ہیں اور دوران محاصرہ میں اسلامی فوج گرد و پیش کے باغات  
 کے بہت سے درخت کاٹ ڈالتی ہے تاکہ حملہ کرنے کے لیے راستہ صاف ہو۔ اس پر بنی نضیر  
 شور مچاتے ہیں کہ باغوں کو اجاڑ کر اور ہرے بھرے ٹمردار درختوں کو کاٹ کر مسلمانوں نے  
 فساد فی الارض برپا کیا ہے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْتَةٍ أَوْ نَرَكْتُمْ هَا  
 فَاتِمُّوا عَلَىٰ أَمْوَالِكُمْ فَإِنَّ لَكُمْ فِيهَا حَرَامٌ  
 کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹے اور جو کھڑے  
 یہ دونوں کام اللہ کی اجازت سے



کی کس آیت میں نازل ہوا تھا؛

آپ صرف ایک مثال چاہتے تھے۔ میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید سے سات  
مثالیں پیش کر دی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی  
تھی۔ اس کے بعد آگے کسی بحث کا سلسلہ چلنے سے پہلے میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ  
حق کے آگے جھکنے کے لیے تیار بھی ہیں یا نہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

ترجمان القرآن۔ اکتوبر و نومبر ۱۹۶۷ء

# سُنّت کے متعلق چند مزید سوالات

( صفحات گذشتہ میں ڈاکٹر عبدالودود صاحب اور مصنف کی جو مراسلت ناظرین کے سامنے آچکی ہے۔ اس کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کا ایک اور خط وصول ہوا جسے مصنف کے جواب سمیت ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ ]

## ڈاکٹر صاحب کا خط

محترم مولانا السلام علیکم

میرے خط مؤرخہ ۱۷ اگست کا جواب آپ کی طرف سے ترجمان القرآن ماہ اکتوبر و نومبر کی اشاعتوں میں آچکا ہے۔ اکتوبر کے ترجمان میں شائع شدہ جواب کا بقیہ حصہ بھی بذریعہ ڈاک موصول ہو گیا تھا۔ اس جواب کے آخر میں آپ نے فرمایا ہے کہ آگے کسی بحث کا سلسلہ چلنے سے پہلے آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا میں حق کے آگے جھکنے کے لیے تیار بھی ہوں یا نہیں۔

محترم! ایک سچے مسلمان کی طرح میں بروقت حق کے آگے جھکنے پر تیار ہوں بلکہ جہاں حق موجود ہی نہ ہو بلکہ کسی بُت کے آگے جھکنا مقصود ہو تو کم از کم میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ شخصیت پرستی میرا مسلک نہیں میں بار بار آپ کو تکلیف اس لیے دیتا ہوں کہ مسئلہ نہ پر بحث صاف ہو جائے اور ایک ہی ملک میں بسنے والے اور ایک ہی منزل مقصود کی طرف بڑھنے والے الگ الگ راستے اختیار نہ کریں۔ اور آپ ہیں کہ تقاضی اور جذبات کا مرکب پیش کرنے میں سارا زورِ قلم اس لیے صرف کر رہے ہیں کہ میں جھک جاؤں۔ آپ نے اتنا طویل جواب لکھنے میں یقیناً بڑی عسری بد نصیبی ملاحظہ فرمائیے کہ

اس سے اور الجھنیں پیدا ہو گئیں۔

آپ نے یہ درست فرمایا کہ میرے لیے قرآن کا مطالعہ میرے بہت سے مشاغل میں سے ایک ہے اور آپ نے اپنی عمر اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے اور اس کے مضمرات کو سمجھنے میں صرف کی ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑیگا کہ آپ کی یہ عمر بھر کی محنت اپنی ذات کے لیے ہو تو ہو لیکن عام مسلمانوں کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکی۔ آپ کے خط میں بہت سے ابہامات ہیں کئی باتیں قرآن کے خلاف ہیں۔ کئی باتیں ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ قرآن کا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ ان کے لیے بڑا تفصیلی جواب درکار ہے جسے میں انشاء اللہ الغریزاً اور میں فراغت میں مکمل کر سکوں گا۔ لیکن اس سلسلے میں دو ایک باتیں ایسی ہیں جن کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ اس وقت میں صرف انہیں کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ساری بحث سمٹ سٹھا کر یہاں آ جاتی ہے کہ رسول اللہ پر جو وحی خدا کی طرف سے نازل ہوئی وہ سب کچھ قرآن کے اندر ہے یا باہر کہیں اور بھی۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ وحی کا ایک حصہ قرآن کے علاوہ اور بھی ہے۔ اس ضمن میں حسب ذیل امور وضاحت طلب ہیں :

(۱) جہاں تک ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا تعلق ہے کیا وحی کے دونوں حصے یکساں حیثیت رکھتے ہیں ؟

(۲) قرآن نے جہاں ”ما أنزل الیک“ کہا ہے کیا اس سے مراد صرف قرآن ہے یا وحی کا مذکورہ صدر حصہ بھی ؟

(۳) وحی کا یہ دوسرا حصہ کہاں ہے ؟ کیا قرآن کی طرح اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خدا نے لی ہوئی ہے ؟

(۴) قرآن کے ایک لفظ کی جگہ عربی کا لفظ استعمال کرنا جو اس کے مرادف المعنی ہو رکھ دیا

جائے تو کیا اس لفظ کو ”وحی منزل من اللہ“ سمجھ لیا جائے گا؟ کیا وحی کے مذکورہ بالا دوسرے حصے کی بھی یہی کیفیت ہے؟

(۵) بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت پانے کے بعد اپنی زندگی کے آخری سانس تک جو کچھ کیا وہ خدا کی طرف سے وحی تھا۔ کیا آپ ان کے ہمہوا ہیں؟ اگر نہیں تو اس باب میں آپ کا عقیدہ کیا ہے؟

(۶) اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حضور کے بعض ارشادات وحی الہی تھے اور بعض وحی نہیں تھے تو کیا آپ فرمائیں گے کہ حضور کے جو ارشادات وحی تھے ان کا مجموعہ کہاں ہے؟ نیز آپ کے جو ارشادات وحی نہیں تھے مسلمانوں کے لیے ایمان و اطاعت کے اعتبار سے ان کی حیثیت کیا ہے؟

(۷) اگر کوئی شخص قرآن کریم کی کسی آیت کے متعلق یہ کہے کہ وہ ”منزل من اللہ“ نہیں ہے تو آپ اس سے متفق ہونگے کہ وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص احادیث کے موجودہ مجموعوں میں سے کسی حدیث کے متعلق یہ کہے کہ وہ خدا کی وحی نہیں تو کیا وہ بھی اسی طرح دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے احکام کی بجا آوری کے لیے جو صورتیں تجویز فرمائی ہیں کیا کسی زمانے کی مصلحتوں کے لحاظ سے ان کی جزئیات میں رد و بدل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس قسم کا رد و بدل قرآن کے احکام کی جزئیات میں بھی کیا جاسکتا ہے؟

والسلام

مخلص : عبدالودود

## جواب

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

عنایت نامہ مورخہ ۵ نومبر سنہ ۱۴۱۸ھ کچھ خرابی صحت اور کچھ مصروفیت کے باعث

جواب ذرا تاخیر سے دے رہا ہوں اور اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

آپ نے حسب سابق پھر وہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ ایک بحث کو صاف کرنے سے پہلے بچا کر آگے کچھ نئے سوالات چھڑ دیتے۔ حالانکہ آپ کو نئے مسائل سامنے لانے سے پہلے یہ بتانا چاہیے تھا کہ پچھلے خط میں آپ کے دس نکات پر جو بحث میں نے کی تھی اس میں نے کیا چیز آپ مانتے ہیں اور کیا نہیں مانتے، اور جس چیز کو نہیں مانتے اسے رد کرنے کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ اسی طرح آپ کو میرے اُن واضح اور متعین سوالات کا بھی کوئی جواب دینا چاہیے تھا جو میں نے اُس خط میں آپ سے کیے تھے لیکن ان سوالات کا سامنا کرنے سے گریز کر کے اب آپ کچھ اور سوالات لے آتے ہیں اور مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں ان کا جواب دوں۔ یہ آخر کیا طرز بحث ہے؟

میرے پچھلے خط پر آپ کا تبصرہ کچھ عجیب ہی سا ہے۔ تمام اہم نکات جو اس میں زیر بحث آئے تھے، اور بنیادی سوالات جن پر اس میں روشنی ڈالی گئی تھی، ان سب کو چھوڑ کر سب سے پہلے آپ کی نظر میرے آخری فقرے پر پڑتی ہے اور اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ ”میں حق کے آگے تو جھکنے پر تیار ہوں لیکن بت کے آگے میں نہیں جھک سکتا۔ اور شخصیت پرستی میرا مسلک نہیں ہے“ سوال یہ ہے کہ آخر وہ کونسا ”بت“ ہے جس کے آگے جھکنے کے لیے آپ سے کہا گیا تھا؟ اور کس ”شخصیت پرستی“ کی آپ کو دعوت دی گئی تھی؟ میں نے تو صریح آیات قرآنی سے یہ ثابت کیا تھا کہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ

حاکم، شارع، قاضی اور معلم و رہنما ہیں اور اللہ ہی کے حکم کی بنا پر آپ کی اطاعت اور آپ کا اتباع ایک مومن پر واجب ہے۔ اسی حق کے مقابلے میں جھکنے کے لیے میں نے آپ کا عرض کیا تھا۔ اس پر آپ کا مذکورہ بالا ارشاد یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی ہی وہ ”بت“ ہے جس کے آگے جھکنے سے آپ کو انکار ہے، اور یہی وہ شخصیت پرستی ہے جس سے آپ گریزاں ہیں۔ اگر میرا یہ شبہ صحیح ہے تو میں عرض کروں گا کہ دراصل آپ شخصیت پرستی سے نہیں خدا پرستی سے انکار کر رہے ہیں، اور ایک بہت بڑا بت آپ کے اپنے نفس میں چھپا ہوا ہے جس کے آگے آپ سجدہ ریز نہیں۔ جہاں سب اطاعت ختم کرنے کا خدا نے حکم دیا ہو وہاں جھک جانا بت کے آگے جھکنا نہیں، خدا کے آگے جھکنا ہے، اور یہ شخصیت پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہے۔ البتہ اس سے جو شخص انکار کرتا ہے وہ دراصل حکم خدا کے آگے جھکنے کے بجائے اپنے بت نفس کے آگے جھکنا ہے۔

پھر آپ میرے سارے دلائل کو اس طرح چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش فرماتے ہیں کہ تم نے ”نفاذی اور جذبات کا مرکب پیش کرنے میں سارا زور قلم صرف کیا ہے۔“ یہ راستے آپ چاہیں تو بخوشی رکھ سکتے ہیں لیکن اس کا فیصلہ اب وہ ہزاروں ناظرین کریں گے جن کی نظر سے یہ سرت گزر رہی ہے کہ میں نے دلائل پیش کیے ہیں یا محض نفاذی کی ہے اور آپ ہٹ دھرمی کا اظہار فرما رہے ہیں یا حق پرستی کا۔

پھر آپ اپنی اس بد نصیبی پر افسوس کرتے ہیں کہ میرے جوابات سے آپ کی الجھنیں اور بڑھ گئی ہیں۔ مجھے بھی اس کا افسوس ہے۔ مگر ان الجھنوں کا منبع کہیں باہر نہیں، آپ کے اندر ہی موجود ہے۔ آپ نے یہ مراسلت واقعی ”بات سمجھنے“ کے لیے کی ہوئی تو سیدھی بات سیدھی طرح آپ کی سمجھ میں آ جاتی۔ لیکن آپ کی تو اسلیم ہی کچھ اور تھی۔ آپ نے اپنے ابتدائی سوالات میرے پاس بھیجنے کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے علماء کے پاس بھی اس امید پر بھیجے تھے کہ ان سے مختلف لے یہ بات مجھے بعد میں مولانا داؤد غزنوی اور مفتی سیاح الدین صاحب کا کاخیل اور بعض دوسرے حضرات سے معلوم ہوئی کہ بعینہ یہی سوالات آپ کی طرف سے ان کو بھیجے گئے تھے۔

جوابات حاصل ہونگے اور پھر ان کا ایک مجموعہ شائع کر کے یہ پروپگنڈا کیا جاسکے گا کہ علماء سنت سنت تو کرتے ہیں مگر دعو عالم بھی سنت کے بارے میں ایک متفقہ رائے نہیں رکھتے۔ وہی تکنیک جس کا ایک شاہکار ہمیں منیر رپورٹ میں ملتا ہے۔ اب میرے جوابات سے آپ کی یہ اسکیم آپ ہی کے اوپر الٹ پڑی ہے اس لیے آپ کو سمجھانے کی جتنی کوشش بھی میں کرتا ہوں آپ کی الجھن بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس نوعیت کی الجھن کا آخر میں کیا علاج کر سکتا ہوں۔ اس کا علاج تو آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ حق بات سمجھنے اور ماننے کی مخلصانہ خواہش اپنے اندر پیدا کیجیے اور ایک مسلک خاص کے حق میں پروپگنڈا کے لیے ہتھیار فراہم کرنے کی فکر چھوڑ دیجیے۔ اس کے بعد انشاء اللہ ہر معقول بات بآسانی آپ کی سمجھ میں آنے لگے گی۔

پھر آپ میری طرف یہ غلط دعویٰ منسوب کرتے ہیں کہ ”میں نے اپنی عمر قرآن کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے اور اس کے مضمرات کو سمجھنے میں صرف کی ہے“ حالانکہ میں نے اپنے متعلق یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا میں نے تو اپنے پچھلے خط میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ اسلامی تاریخ میں بے شمار ایسے لوگ گزرے ہیں اور آج بھی پاسے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کر دی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ آپ نے کیسے نکال لیا کہ میں اپنے حق میں یہ دعویٰ کر رہا ہوں۔

اتنی غیر متعلق باتیں کر چکنے کے بعد آپ میرے خط کے اصل مبحث کے متعلق صرف اتنی مختصر سی بات ارشاد فرمانے پر اکتفا کرتے ہیں کہ ”آپ کے خط میں بہت سے ابہامات ہیں۔ کسی باتیں قرآن کے خلاف ہیں کئی باتیں ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ قرآن کا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھتے“ سوال یہ ہے کہ اس سے زیادہ مبہم بات بھی کوئی ہو سکتی ہے؛ آخر آپ نے کچھ تو بتایا ہوتا کہ میرے اس خط میں کیا ابہامات تھے، کیا چیزیں قرآن کے خلاف تھیں اور قرآن کی کن آیات کا مطلب میں سمجھا نہیں سکا؟

یہ آپ نے اٹھا کر رکھ دیا اور اپنا آج کا دت کچھ نئے سوالات تصنیف کرنے میں صرف فرما دیا حالانکہ یہ وقت پچھلے سوالات پر گفتگو کرنے میں استعمال ہونا چاہیے تھا۔

اگر اس مراسلت سے سیر پیش نظر صرف آپ کو بات سمجھانا ہوتا تو آپ کی طرف سے ”بات سمجھنے“ کی کوشش کا یہ نمونہ دیکھ کر میں آئندہ کے لیے مغذرت ہی کر دیتا لیکن دراصل میں آپ کے ذریعہ سے دوسرے بہت سے مریضوں کے علاج کی فکر کر رہا ہوں جن کے ذہن اسی طرح کے سوالات چھیڑ چھیڑ کر پراگندہ کیسے جا رہے ہیں۔ اس لیے میں انشاء اللہ آپ کے ان تازہ سوالات کا جواب بھی دوں گا، اور ایسے ہی سوالات آپ اور چھیڑیں گے تو ان کا جواب بھی دوں گا۔ تاکہ جن لوگوں کے اندر اس گمراہی کے لیے ابھی تک ضد پیدا نہیں ہوئی ہے وہ سنت کے مسئلے کا ہر پہلو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان کو گمراہ کرنا آسان نہ رہے۔

وحی پر ایمان کی وجہ | آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ :

”جہاں تک ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا تعلق ہے کیا وحی کے دوزن

حقے یکساں حیثیت رکھتے ہیں ؟“

اس سوال کا صحیح جواب آدمی کی سمجھ میں اچھی طرح نہیں آ سکتا جب تک کہ وہ پہلے یہ نہ سمجھ لے کہ وحی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کی اصل بنیاد کیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وحی خواہ وہ کسی نوعیت کی بھی ہو، براہ راست ہمارے پاس نہیں آتی ہے کہ ہم بجائے خود اس کے منزل من اللہ ہونے کو جانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ وہ تو ہمیں رسول کے ذریعہ سے ملی ہے اور رسول ہی نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ ہدایت میرے پاس خدا کی طرف سے آئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم وحی پر یعنی اس کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان لائیں، ہم رسول پر ایمان لاتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کا سچا نمائندہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہی یہ نوبت آ سکتی ہے کہ ہم رسول کے بیان پر اعتماد کر کے اس وحی کو خدا کو بھیجی ہوئی مانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ پس [www.rasailojaraid.com](http://www.rasailojaraid.com) بلکہ رسول پر ایمان اور اس کی

تصدیق ہے۔ اور اسی کی تصدیق کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نے وحی کو وحی خداوندی مانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں سمجھیے کہ رسول کی رسالت پر ہمارے ایمان کی وجہ قرآن نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس قرآن پر ہمارے ایمان کی وجہ رسول کی رسالت پر ایمان ہے۔ واقعات کی ترتیب یہ نہیں ہے کہ پہلے قرآن ہمارے پاس آیا ہو اور اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعارف کرایا ہو، اور اس کے بیان کو صحیح جان کر ہم نے حضور کو خدا کا رسول تسلیم کیا ہو۔ بلکہ صحیح ترتیب واقعات یہ ہے کہ پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر رسالت کا دعویٰ پیش کیا، پھر جس نے بھی ان کو رسول برحق مانا اس نے ان کی اس بات کو بھی برحق مان لیا کہ یہ قرآن جو وہ پیش فرما رہے ہیں یہ کلام محمد نہیں بلکہ کلام اللہ ہے۔

یہ ایک ایسی بدیہی پوزیشن ہے جس سے کوئی معقول آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ اس پوزیشن کو اگر آپ مانتے ہیں تو اپنی جگہ خود غور کیجیے کہ جس رسول کے اعتماد پر ہم نے قرآن کو وحی مانا ہے وہی رسول اگر ہم سے یہ کہے کہ مجھے قرآن کے علاوہ بھی خدا کی طرف سے ہدایت اور احکام بذریعہ وحی ملتے ہیں، تو اس کی تصدیق نہ کرنے کی آخر وجہ کیا ہے؟ اور آخر رسول کے ذریعہ سے آنے والی ایک وحی اور دوسری وحی میں فرق کیوں ہو؟ جب ایمان بالرسالت ہی وحی پر ایمان کی اصل بنیاد ہے تو اطاعت کرنے والے کے لیے اس سے کیا فرق واقع ہوتا ہے کہ رسول نے خدا کا ایک حکم قرآن کی کسی آیت کی شکل میں ہمیں پہنچایا ہے یا اپنے کسی فرمان یا عمل کی شکل میں؟ مثال کے طور پر پانچ وقت کی نماز بہر حال ہم پر فرض ہے اور امت اس کو فرض مانتی ہے باوجودیکہ قرآن کی کسی آیت میں یہ حکم نہیں آیا کہ اے مسلمانو! تم پر پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر قرآن میں بھی یہ حکم آجاتا تو اس کی فرضیت اور اس کی تاکید میں کیا اضافہ ہو جاتا؟ اس وقت بھی یہ ویسی ہی فرض ہوتی جیسی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے فرض ہے۔

ما انزل اللہ سے کیا چیز مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ :-

”قرآن نے جہاں مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ کہا ہے کیا اس سے مراد صرف قرآن

ہے یا وحی کا مذکورہ صدر حصہ بھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں نازل کرنے کے ساتھ ”کتاب“ یا ”ذکر“ یا ”فرقان“ وغیرہ کی تصریح کی گئی ہے صرف اُسی جگہ مَا أُنْزِلَ اللہ سے مراد قرآن ہے۔ رہے وہ مقامات جہاں کوئی قرنیہ ان الفاظ کو قرآن کے لیے مخصوص نہ کر رہا ہو۔ وہاں یہ الفاظ ان تمام ہدایات و تعلیمات پر حاوی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو ملی ہیں، خواہ وہ آیات قرآنی کی صورت میں ہوں، یا کسی اور صورت میں۔ اس کی دلیل خود قرآن ہی میں موجود ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن ہی نازل نہیں ہوا ہے بلکہ کچھ اور چیزیں بھی نازل ہوتی ہیں۔ سورۃ نساء میں ارشاد ہوا ہے :

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا

اور اللہ نے تیرے اوپر نازل کی کتاب اور حکمت اور تجھے سکھایا وہ کچھ جو تو نہ جانتا تھا۔

یہی مضمون سورۃ بقرہ میں بھی ہے :

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيُعْظِمَ بِهٖ

رآیت ۲۳۱

اور یاد رکھو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو، اور اُس کتاب اور حکمت کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے۔ اللہ تمہیں اس کا پاس رکھنے کی نصیحت فرماتا ہے۔

اسی بات کو سورۃ احزاب میں دہرایا گیا ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر

کی خواتین کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ :

وَإِذْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ

اور یاد رکھو کہ تمہارے گھروں میں (لوگوں کو)

بِئْسَ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ يُبَيَّنُ مَا يُنْزِلُ اللَّهُ وَالْحِكْمَةَ ۚ

اور یاد رکھو کہ تمہارے گھروں میں (لوگوں کو)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کے علاوہ ایک چیز حکمت بھی نازل کی گئی تھی جس کی تعلیم آپ لوگوں کو دیتے تھے۔ اس کا مطلب آخر اس کے سوا کیا ہے کہ جس وائائی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کام کرتے اور قیادت و رہنمائی کے فرائض انجام دیتے تھے، وہ محض آپ کی آزادانہ ذاتی قدرت فیصلہ (PRIVATE JUDGEMENT) نہ تھی بلکہ یہ چیز بھی اللہ نے آپ پر نازل کی تھی۔ نیز یہ کوئی ایسی چیز تھی جسے آپ خود ہی استعمال نہ کرتے تھے بلکہ لوگوں کو سکھاتے بھی تھے (يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ) اور ظاہر ہے کہ یہ سکھانے کا عمل یا تو قول کی صورت میں ہو سکتا تھا یا فعل کی صورت میں۔ اس لیے امت کو آنحضرت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ دو چیزیں ملی تھیں۔ ایک کتاب۔ دوسری حکمت، حضور کے اقوال کی صورت میں بھی اور افعال کی صورت میں بھی۔

پھر قرآن مجید ایک اور چیز کا ذکر بھی کرتا ہے جو اللہ نے کتاب کے ساتھ نازل کی ہے:

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

اللہ تعالیٰ جس نے نازل کی کتاب حق کے ساتھ

وَالْمِيزَانَ (الشوریٰ-۱۷)

اور میزان۔ ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ

لَقَدْ أَرْسَلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا

بجیسا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل

مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ

کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں

بِالْقِسْطِ - (الحمدید-۱۲۵)

یہ ”میزان“ جو کتاب کے ساتھ نازل کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ وہ ترازو تو نہیں ہے

جو ہرنیے کی دوکان پر رکھی ہوتی مل جاتی ہے، بلکہ اس سے مراد کوئی ایسی چیز ہی ہے جو

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق انسانی زندگی میں توازن قائم کرتی ہے۔ اس کے بگاڑ کو

درست کرتی ہے، اور افراط و تفریط کو دور کر کے انسانی اخلاق و معاملات کو عدل پر

ماتی ہے۔ کتاب کے ساتھ اس چیز کو میزان کہنے کے صاف معنی یہ ہیں کہ نبی کو

اللہ تعالیٰ نے بطور خاص اپنے پاس سے وہ رہنمائی کی صلاحیت عطا فرمائی تھی جس سے انہوں نے کتاب اللہ کے منشا کے مطابق افراد اور معاشرے اور ریاست میں نظام عدل قائم کیا۔ یہ کام ان کی ذاتی قوت اجتہاد اور راستے پر منحصر نہ تھا، بلکہ اللہ کی نازل کردہ میزان سے تول تول کر وہ فیصلہ کرتے تھے کہ حیات انسانی کے مرتب میں کس جز کا کیا وزن ہونا چاہیے۔ پھر قرآن ایک تیسری چیز کی بھی خبر دیتا ہے جو کتاب کے علاوہ نازل کی گئی تھی:-

فَاصْنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالَّتُورِ  
الَّذِي اَنْزَلْنَا - (التغابن - ۸)

پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔  
فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ  
وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا التُّورَ الَّذِي اُنْزِلَ  
مَعَهُ اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الاعراف - ۱۵)

پس جو لوگ ایمان لائیں اس رسول پر اور اس تعظیم و تکریم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کے پیچھے چلیں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔  
قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُورٌ وَ  
كِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللهُ مَنِ اتَّبَعَ  
رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ - (المائدہ - ۱۵-۱۶)

ان آیات میں جس "نور" کا ذکر کیا گیا ہے وہ کتاب سے الگ ایک چیز تھا جیسا کہ تیسری آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں اور یہ نور بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول پر نازل کیا گیا تھا بظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ علم و دانش اور وہ بصیرت و فہم ہی ہو سکتی ہے جو اللہ نے حضور کو عطا فرمائی تھی جس سے آپ نے زندگی کی راہوں میں صحیح اور غلط کا فرق واضح فرمایا، جس کی مدد سے عملی زندگی کے مسائل حل کیے، اور جس کی روشنی میں کام کر کے آپ نے اخلاق و دروہ و معیشت و معاشرت اور قانون

سیاست کی دنیا میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ یہ کسی پرائیویٹ آدمی کا کام نہ تھا جس نے بس خدا کی کتاب پڑھ پڑھ کر اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جدوجہد کر ڈالی ہو۔ بلکہ یہ خدا کے اُس نمائندے کا کام تھا جس نے کتاب کے ساتھ براہِ راست خدا ہی سے علم اور بصیرت کی روشنی بھی پاتی تھی۔

ان تصریحات کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن جب ہمیں دوسری سب چیزوں کو چھوڑ کر صرف ما انزل اللہ کی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس سے مراد محض قرآن ہی کی پیروی نہیں ہوتی، بلکہ اُس حکمت اور اس نور اور اس میزان کی پیروی بھی ہوتی ہے جو قرآن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی تھی اور جس کا ظہور لامحالہ حضور کی سیرت و کردار اور حضور کے اقوال و افعال ہی میں ہو سکتا تھا۔ اسی لیے قرآن کہیں یہ کہتا ہے کہ ما انزل اللہ کی پیروی کرو مثلاً آیت ۷: ۳۱ میں اور کہیں یہ ہدایت کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو مثلاً آیات ۳: ۳۱-۳۳ اور ۷: ۵۶ (ہیں)۔ اگر یہ دو مختلف چیزیں ہوتیں تو ظاہر ہے کہ قرآن کی ہدایات تضاد ہو جاتیں۔

**سنت کہاں ہے ؟ آپ کا تیسرا سوال یہ ہے :**

”وحی کا یہ دوسرا حصہ کہاں ہے ؟ کیا قرآن کی طرح اس کی حفاظت کی

ذمہ داری بھی خدا نے لی ہوئی ہے ؟

اس سوال کے دو حصے الگ الگ ہیں۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ ”وحی کا یہ دوسرا حصہ کہاں ہے ؟“ بعینہ یہ سوال آپ پہلے مجھ سے کر چکے ہیں اور میں اس کا مفصل جواب دے چکا ہوں۔ مگر آپ اسے پھر اس طرح دوبارہ ہے ہیں کہ گویا آپ کو نہرے سے کوئی جواب ملا ہی نہیں۔ براہِ کرم اپنا اولین خط اٹھا کر دیکھیے جس میں سوال نمبر ۲ کا مضمون وہی تھا جو آپ کے اس تازہ سوال کا ہے۔ اس کے بعد میرا دوسرا خط ملاحظہ فرمائیے جس میں میں نے آپ کو اس سوال کا تفصیلی

جواب دیا ہے۔ اب آپ کا اسی سوال کو پھر پیش کرنا اور میرے پہلے جواب کو بالکل نظر انداز کر دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ یا تو آپ اپنے ہی خیالات میں گم رہتے ہیں اور دوسرے کی کوئی بات آپ کے ذہن تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں پاتی، یا پھر آپ یہ بحث محض برائے بحث فرما رہے ہیں۔

کیا سنت کی حفاظت بھی خدا نے کی ہے؟ | رہا آپ کے سوال کا دوسرا حصہ تو اس کا جواب سننے سے پہلے ذرا اس بات پر غور کر لیجیے کہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری جو اللہ میاں نے لی تھی اس کو انہوں نے براہ راست عملی جامہ پہنایا، یا انسانوں کے ذریعہ ہے اس کو عملی جامہ پہنوا یا؟ ظاہر ہے آپ اس کا کوئی جواب اس کے سوا نہیں دے سکتے کہ اس حفاظت کے لیے انسان ہی ذریعہ بنائے گئے۔ اور عملاً یہ حفاظت اس طرح ہوتی کہ حضورؐ سے جو قرآن لوگوں کو ملتا تھا اس کو اسی زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے لفظ بلفظ یاد کر لیا۔ پھر ہزاروں سے لاکھوں، اور لاکھوں سے کروڑوں اس کو نسلاً بعد نسل پیتے اور یاد کرتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں رہا کہ قرآن کا کوئی لفظ دنیا سے محو ہو جائے، یا اس میں کسی وقت کوئی رد و بدل ہو اور وہ فوراً نوٹس میں نہ آجائے۔ یہ حفاظت کا غیر معمولی انتظام آج تک دنیا کی کسی دوسری کتاب کے لیے نہیں ہو سکا ہے اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کیا ہوا انتظام ہے۔

اچھا، اب ملاحظہ فرمائیے کہ جس رسولؐ کو ہمیشہ کے لیے اور تمام دنیا کے لیے رسول بنایا گیا تھا اور جس کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دینے کا بھی اعلان کر دیا گیا تھا اس کے کارنامہ حیات کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا محفوظ فرمایا کہ آج تک تاریخ انسانی میں گزرے ہوئے کسی نبی، کسی پیشوا، کسی لیڈر اور رہنما اور کسی بادشاہ یا فاتح کا کارنامہ اس طرح محفوظ نہیں رہا ہے۔ اور یہ حفاظت بھی انہی ذرائع سے ہوتی ہے جن ذرائع سے قرآن کی حفاظت ہوئی۔ ختم © rasailojaraid.com نے خود یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے اپنے مقرر کیے ہوتے آخری رسولؐ کی رہنمائی اور اس کے نقوش قدم کو تیار تک زندہ رکھنے کی ذمہ داری سے لی ہے تاکہ اس کی زندگی ہمیشہ انسان کی رہنمائی کرتی رہے اور اس کے بعد کسی نئے رسولؐ کے آنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اب آپؐ خود دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع جریدہ عالم پر ان نقوش کو کیسا ثبت کیا ہے کہ آج کوئی طاقت انہیں مٹا نہیں سکتی۔ کیا آپؐ کو نظر نہیں آتا کہ یہ وضو، یہ پجوتختہ نماز، یہ اذان، یہ مساجد کی نماز باجماعت، یہ عیدین کی نمازیں، یہ حج گئے مناسک، یہ بقرعید کی قربانی، یہ زکوٰۃ کی شرعی، یہ ختنہ، یہ نکاح و طلاق و وراثت کے قاعدے، یہ حرام و حلال کے ضابطے اور اسلامی تہذیب و تمدن کے دوسرے بہت سے اصول اور طور طریقے جس روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کیے اسی روز سے وہ مسلم معاشرے میں ٹھیک اسی طرح رائج ہو گئے جس طرح قرآن کی آیتیں زبانوں پر چڑھ گئیں۔ اور پھر بنبروں سے لاکھوں اور لاکھوں سے کروڑوں مسلمان دنیا کے ہر گوشے میں نسلاً بعد نسل ان کی اُسی طرح پیروی کرتے چلے آ رہے ہیں جس طرح ان کی ایک نسل دُوسری نسل قرآن پیتی چلی آرہی ہے۔ ہماری تہذیب کا بنیادی ڈھانچہ رسولؐ پاک کی جن سنتوں پر قائم ہے ان کے صحیح ہونے کا ثبوت بعینہ وہی ہے جو قرآن پاک کے محفوظ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس کو جو شخص چیلنج کرتا ہے وہ دراصل قرآن کی صحت کو چیلنج کرنے کا راستہ اسلام کے دشمنوں کو دکھاتا ہے۔

پھر دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپؐ کے عہد کی سوسائٹی کا کیا مفصل نقشہ کیسی جزئی تفصیلاً کے ساتھ کیسے مستند ریکارڈ کی صورت میں آج ہم کو مل رہا ہے ایک ایک واقعہ اور ایک ایک قول و فعل کی سند موجود ہے جس کو جانچ کر ہر وقت معلوم کیا جاسکتا ہے کہ روایت کہاں تک قابلِ اعتماد ہے۔ صرف ایک انسان کے علاوہ معلوم کرنے کی خاطر اس دور کے کم و بیش ہر ایک انسان کو یہ حالات مرتب کر دیئے گئے

تاکہ ہر وہ شخص جس نے کوئی روایت اُس انسانِ عظیم کا نام لیکر بیان کی ہے اس کی شخصیت کو چلکے رائے قائم کی جائے کہ ہم اس کے بیان پر کس حد تک بھروسہ کر سکتے ہیں۔ تاریخی تنقید کا ایک وسیع علم انتہائی باریک بینی کے ساتھ صرف اس مقصد کے لیے مدون ہو گیا کہ اس ایک فردِ فرید کی طرف جو بات بھی منسوب ہو اسے ہر پہلو سے جانچ پڑتال کر کے صحت کا اطمینان کر دیا جائے۔ کیا دنیا کی پوری تاریخ میں کوئی اور مثال بھی ایسی ملتی ہے کہ کسی ایک شخص کے حالات محفوظ کرنے کے لیے انسانی ہاتھوں سے یہ اہتمام عمل میں آیا ہو؟ اگر نہیں ملتی اور نہیں مل سکتی تو کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ اس اہتمام کے پیچھے بھی وہی خدائی تدبیر کار فرما ہے جو قرآن کی حفاظت میں کار فرما رہی ہے؟

وحی سے مراد کیا چیز ہے؟ آپ کا چوتھا سوال یہ ہے:

”قرآن کے ایک لفظ کی جگہ عربی کا دوسرا لفظ جو اس کے مرادف المعنی ہو رکھ دیا جائے تو کیا اس لفظ کو ”وحی منزل اللہ“ سمجھ دیا جائے گا؟ کیا وحی کے مذکورہ بالا دوسرے حصے کی بھی یہی کیفیت ہے؟“

یہ ایسا مہمل سوال آپ نے کیا ہے کہ میں کسی پڑھے لکھے آدمی سے اس کی توقع نہ رکھتا تھا۔ آخر یہ کس نے آپ کے کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح اس معنی میں ہیں کہ آپ نے تفسیرِ نبی یا جلالین کی طرح کی کوئی تفسیر لکھی تھی جس میں قرآن کے عربی الفاظ کی تشریح میں کچھ دوسرے مترادف عربی الفاظ درج کر دیئے تھے اور ان تفسیری فقرہوں کو اب کوئی شخص ”وحی منزل اللہ“ کہہ رہا ہے۔ جو بات آپ کے بار بار کہی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر کی حیثیت سے جو کچھ بھی کیا اور کہا ہے وہ بر بنائے وحی ہے۔ آپ کا پورا پیغمبرانہ کارنامہ اپنی پراپیٹیٹ حیثیت میں نہ تھا بلکہ خدا کے فائزہ مجاز ہونے کی حیثیت میں تھا۔ اس حیثیت میں آپ کوئی کام بھی خدا کی مرضی کے خلاف یا اس کے بغیر نہ کر سکتے تھے۔ ایک معلم، ایک مربی، ایک تہذیب و تمدن، ایک قاعی

ایک متفق، ایک مذہب، ایک سپہ سالار، ایک حکمران کی حیثیت میں آپ نے جتنا کام بھی کیا وہ سب دراصل خدا کے رسول ہونے کی حیثیت میں آپ کا کام تھا۔ اس میں خدا کی وحی آپ کی رہنمائی اور نگرانی کرتی تھی، اور کہیں ذرا سی چوک بھی ہو جاتی تو خدا کی وحی بروقت اس کی اصلاح کر دیتی تھی۔ اس وحی کو اگر آپ اس معنی میں لیتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ کی تشریح میں کچھ عربی زبان کے مترادف الفاظ نازل ہو جاتے تھے تو میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ ”ہر عقل و دانش باید گریست“ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وحی لازماً الفاظ کی صورت ہی میں نہیں ہوتی۔ وہ ایک خیال کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے جو دل میں ڈالا جائے۔ وہ ذہن و فکر کے لیے ایک رہنمائی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ ایک معاملہ کا صحیح فہم بخشنے اور ایک مسئلے کا ٹھیک حل یا ایک موقع کے لیے مناسب تدبیر سمجھانے کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔ وہ محض ایک روشنی بھی ہو سکتی ہے جس میں آدمی اپنا راستہ صاف دیکھ لے۔ وہ ایک سچا خواب بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ پردے کے پیچھے سے ایک آواز یا فرشتے کے ذریعہ سے آیا ہوا ایک پیغام بھی ہو سکتی ہے۔ عربی زبان میں فقط وحی کے معنی ”اشارۃ لطیفہ“ کے ہیں۔ انگریزی میں اس سے قریب تر لفظ (INSPIRATION) ہے۔ اگر آپ عربی نہیں جانتے تو انگریزی زبان ہی کی کسی اہست میں اس لفظ کی تشریح دیکھ دیں۔ اس کے بعد آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ لفظ کے مقابلہ میں مترادف لفظ رکھنے کا یہ عجیب و غریب تصور۔ جسے آپ وحی کے معنی میں لے رہے ہیں۔ کیسا طفلانہ تصور ہے۔

آپ کا پانچواں سوال یہ ہے :

”بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت پانے کے بعد

اپنی زندگی کے آخری سانس تک جو کچھ کیا وہ خدا کی طرف سے وحی تھا۔ کیا آپ

ان کے مہموا ہیں؟ اگر نہیں تو اس باب میں آپ کا عقیدہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب سوال نمبر ۴ میں آگیا ہے۔ اور وہ عقیدہ جو میں نے اوپر بیان

کیا ہے وہ ”بعض لوگوں کا نہیں بلکہ آغاز اسلام سے آج تک تمام مسلمانوں کا منفقہ عقیدہ۔  
محض تکرار سوال | آپ کا چھٹا سوال یہ ہے :

”اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حضور کے بعض ارشادات وحی الہی تھے اور بعض وحی نہ تھے تو کیا آپ فرمائیں گے کہ حضور کے جو ارشادات وحی تھے ان کا مجموعہ کہاں ہے؟  
نیز آپ کے جو ارشادات وحی نہیں تھے مسلمانوں کے لیے ایمان و طاعت کے اعتبار سے ان کی حیثیت کیا ہے؟“

اس سوال کے پہلے حصے میں آپ نے اپنے سوال نمبر ۳ کو پھر دہرایا ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو اوپر اسی سوال کا دیا جا چکا ہے۔ دوسرے حصے میں آپ نے اُس بات کا اعادہ کیا ہے جو اس سے پہلے اپنے خط نمبر ۳ میں آپ بیان فرما چکے ہیں اور میں اس کا جواب عرض کر چکا ہوں۔ شبہ ہوتا ہے کہ آپ میرے جوابات کو غور سے پڑھتے بھی نہیں ہیں اور ایک ہی طرح کے سوالات کو دہراتے چلے جاتے ہیں۔  
ایمان و کفر کا مدار | آپ کا ساتواں سوال یہ ہے :

”اگر کوئی شخص قرآن کریم کی کسی آیت کے متعلق یہ کہے کہ وہ منہرلن اللہ نہیں ہے تو آپ اس سے متفق ہوں گے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص احادیث کے موجودہ مجموعوں میں سے کسی حدیث کے متعلق یہ کہے کہ وہ خدا کی وحی نہیں تو کیا وہ بھی اسی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے گا؟“

اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث کے موجودہ مجموعوں سے جن سنتوں کی شہادت ملتی ہے ان کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی سنتیں وہ ہیں جن کے تحت ہونے پر امت شروع سے آج تک متفق رہی ہے، یعنی بالفاظ دیگر وہ متواتر سنتیں ہیں اور امت کا ان پر اجماع

ہے۔ ان میں کسی کو ماننے سے جو شخص بھی انکار کرے گا وہ اسی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا جس طرح قرآن کی کسی آیت کا انکار کرنے والا خارج از اسلام ہوگا۔ دوسری قسم کی سنتیں وہ ہیں جن کے ثبوت میں اختلاف ہے یا ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی سنتوں میں سے کسی کے متعلق اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری تحقیق میں فلاں سنت ثابت نہیں ہے اس لیے میں اسے قبول نہیں کرتا تو اس قول سے اس کے ایمان پر قطعاً کوئی آنچ نہ آئے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم علمی حیثیت سے اس کی رائے کو صحیح سمجھیں یا غلط لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ واقعی سنت رسول ہو بھی تو میں اس کی اطاعت کا پابند نہیں ہوں، تو اس کے خارج از اسلام ہونے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ وہ رسول کی حیثیت حکمرانی (AUTHORITY) کو چیلنج کرتا ہے جس کی کوئی گنجائش دائرہ اسلام میں نہیں ہے۔

کیا احکام سنت میں رد و بدل ہو سکتا ہے؟ آپ کا آٹھواں سوال یہ ہے :-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے احکام کی بجا آوری کے لیے جو صورتیں تجویز فرمائی

میں کیا کسی زمانے کی مصدحتوں کے لحاظ سے ان کی جزئیات میں رد و بدل کیا جاسکتا ہے یا نہیں

کیا اس قسم کا رد و بدل قرآن کی جزئیات میں بھی کیا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنی احکام جزئیات ہوں یا ثابت شدہ سنت رسول کے کسی حکم کے جزئیات، دونوں کے اندر صرف اسی صورت میں اور اسی حد تک رد و بدل ہو سکتا ہے جب اور جس حد تک حکم کے الفاظ کسی رد و بدل کی گنجائش دیتے ہوں، یا کوئی دوسری نص ایسی ملتی ہو جو کسی مخصوص حالت کے لیے کسی خاص قسم کے احکام میں رد و بدل کی اجازت دیتی ہو۔ اس کے ماسوا کوئی مومن اپنے آپ کو کسی حال میں بھی خدا اور رسول کے احکام میں رد و بدل کر لینے کا مختار و مجاز تصور نہیں کر سکتا۔ البتہ ان لوگوں کا معاملہ دوسرا ہے جو اسلام سے نکل کر مسلمان رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا طریق کار یہی ہے کہ پہلے رسول کو آئین و قانون سے بے دخل کر کے قرآن بلا محمدؐ کی پیروی کا نرا لامسک ایجاد کریں، پھر قرآن سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس کی ایسی من مانی تاویلات شروع کر دیں جنہیں دیکھ کر شیطان بھی اعتراف کمال پر مجبور ہو جائے۔

خاکسار : ابوالاعلیٰ

## آخری خط اور اس پر تبصرہ

[ ذیل میں ڈاکٹر عبدالودود صاحب کا وہ آخری عنایت نامہ درج کیا جا رہا ہے جو ۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء کو انہوں نے ارسال فرمایا تھا۔ اس خط کو پڑھ کر ہر صاحبِ ذوقِ سلیم یہ سوال کرے گا کہ اس تحریر کو شائع ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن جس مقصد کی خاطر اس گندگی میں ہاتھ ڈالا گیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ منکرینِ حدیث کے سارے دلائل و مسائل ان کی اپنی زبان میں لوگوں کے سامنے آجائیں اور ان کا واضح جواب دیکر اس گمراہی کا سد باب کر دیا جائے جو یہ لوگ عوام اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں پھیلا رہے ہیں۔ اسی لیے ڈاکٹر صاحب کا یہ خط یہاں جوں کا توں درج کیا جا رہا ہے تاکہ منکرینِ حدیث اپنے دلائل اور اپنے اخلاقی فضائل دونوں کے ساتھ لوگوں کے سامنے آجائیں۔ یہ خط جس انداز میں لکھا گیا ہے اس کی بنا پر جواب میں ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرنا تو پسند نہیں کیا گیا البتہ اس میں جو جو باتیں قابلِ لحاظ اور زیرِ بحث مسائل سے متعلق ہیں ان سب کا جواب ناظرین کی تشفی کے لیے حواشی میں دے دیا گیا ہے تاکہ ڈاکٹر صاحب کی ہر بات کا جواب ساتھ ساتھ ملتا چلا جائے۔

اس خط کے معاملہ میں ڈاکٹر صاحب نے اخلاقی جرأت کا ایک عجیب مظاہرہ یہ بھی فرمایا ہے کہ پچھلی تمام مراسلت کو چھوڑ کر تنہا ہی ایک خط پہنچے ”چنان میں، اور پھر اپریل ۱۹۸۷ء کے طلوعِ اسلام میں شائع کر دیا، حالانکہ ابتداءً انہوں نے خود اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس سلسلے کی پوری مراسلت شائع فرماتیں گے اس طرح کی باتیں دوسرے لوگوں کے لیے چاہے کتنی ہی معیوب ہوں، منکرینِ حدیث

### باسمہ سبحانہ

مولانا سہ محترم۔ السلام علیکم۔ آپ کا آخری خط مجھے مل گیا تھا۔ تکلیف فرماتی کہ یہ شکر گزار ہوں۔ میرے سامنے اس وقت وہ چاروں رسائل ہیں جن میں آپ نے اس خط و کتابت کو شائع فرمایا ہے یعنی ترجمان القرآن بابت جولائی و اکتوبر و نومبر و دسمبر ۱۹۶۰ء۔

۱۔ اس خط میں میرا مقصد ان الجھنوں کا بیان کرنا ہے جو آپ کے اس قدر طول و طویل جوابات نے پیدا کر دیں بلکہ بڑھادی ہیں۔ اور ان غلطیوں کی طرف اشارہ کرنا ہے جو قرآن کریم کو سمجھنے میں آپ سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے میری قرآنی بصیرت کے مطابق آپ اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھاتے ہوئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ان عوام الناس کا بھی جو آپ کی وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں۔ ان بیچاروں کی حالت اور بھی زیادہ قابلِ رحم ہے۔ اس لیے کہ آپ کے ہاتھوں سے اگر دین کا سرشتہ چھوٹا ہے تو کم از کم دنیاوی مفاد تو حاصل ہو گئے ہیں۔ ان بے چاروں کا دین اور دنیا دونوں میں خسران ہے۔

بزمِ طلوع اسلام سے تعلق؛ | ۲۔ قبل اس کے کہ میں اصل موضوع کی طرف آؤں دو ایک باتیں لکھنے کے طور پر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ نے اس خط و کتابت کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے۔

”ذیل میں وہ مراسلت درج کی جا رہی ہے جو ”بزمِ طلوع اسلام“ کے ایک نمایاں فرد ڈاکٹر عبدود صاحب اور مدیر ترجمان القرآن کے درمیان سنت کو اسلام کے آئین کی بنیاد ماننے کے مسئلے پر ہوتی ہے۔“ (ترجمان جولائی صفحہ ۲۱۹، اس کے بعد آپ نے اسی اشاعت کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ :

”میں ایسی باتوں کی آپ جیسے معقول انسان سے توقع نہ رکھتا تھا مگر یہ شاید

بزمِ طلوع اسلام کا فیض ہے کہ اس نے آپ کو بھی بیان تک پہنچا دیا

چند سطریں آگے چل کر آپ نے لکھا ہے

”آپ جی اس خط و کتابت کو ”طلوع اسلام“ کی کسی قریبی اشاعت میں درج کرنے کا انتظام فرمائیں۔ تاکہ دونوں طرقت کے عوام اس سے آگاہ ہو کر پریشانی سے نجات پا سکیں۔“

میں نے اپنے خط مؤرخہ ۳۱ جولائی میں وضاحت سے آپ کو لکھ دیا تھا کہ ”یہ حقیقت شاید آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو کہ میں بزیم طلوع اسلام کا ”اہم فرد“ تو درکنار اس کا ابتدائی یا معمولی رکن تک نہیں۔ ہاں البتہ طلوع اسلام کے ٹریچر سے متاثر ضرور ہوں۔ بالخصوص اس کے اس حصے سے جس میں اسلامی نظام کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ اس موضوع سے مجھے گہری فکری و نظری و تحسینی رہی ہے اس لیے اس موضوع کے ہر گوشے کا کما حقہ تعارف حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس معاملہ میں آپ کے ٹریچر سے بھی حتی الوسع مستفید ہونے کی پوری کوشش کی ہے۔۔۔۔۔

میں نے اس کے بعد ایک دوسرے خط میں یہ بھی تاکید لکھا تھا کہ آپ اس وضاحتی خط کو شائع کریں۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ اس خط کو شائع نہیں کیا بلکہ مزید شائع شدہ خط و کتابت میں اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔ حالانکہ دیانت کا تقاضا تھا کہ میری اس وضاحت کے بعد آپ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور معذرت چاہتے۔ یہ آپ کی پرانی تکنیک ہے کہ جن لوگوں سے ڈاکٹر صاحب کی اس شکایت کا جواب خود طلوع اسلام کے صفحات میں کسی اور کی زبانی نہیں بلکہ جناب پرویز صاحب کی زبان سے سننا زیادہ بہتر ہوگا۔ ۸-۹-۱۰ اپریل سنہ ۱۳۹۰ کو لاہور میں طلوع اسلام کنونشن کی چوتھی سالانہ کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں ڈاکٹر عبدالودود صاحب کی تقریر سے پہلے پرویز صاحب نے ان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

”ڈاکٹر صاحب کی رفاقت ہمارے لیے باعث فخر ہے۔۔۔ اور ان کا سب سے

بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ یہ rasailojaraid.com س کے ہر لکچر کا ایک ایک

سے آپ کو کوئی اختلاف ہو اور ان کے سوالات کا جواب آپ کے بن نہ پڑے تو آپ ان کے خلاف الزام تراشیوں اور افتراء پر دازیوں کی پورش شروع کر دیا کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے خلاف آپ کے عقیدتمندوں کے جذبات مشتعل ہو جائیں اور وہ لھرے اور کھوٹے میں تیز کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

کیا کشتی سوالنامے کا مقصد علمی تحقیق تھا؟ | ۳۔ آپ نے یہی سیاسی حربہ آگے چل کر بھی استعمال فرمایا ہے۔ جہاں آپ لکھتے ہیں: ”آپ نے یہ مراسلت واقعی بات سمجھنے کے لیے کی ہوتی تو سیدھی بات سیدھی طرح آپ کی سمجھ میں آجاتی۔ لیکن آپ کی تو سکیم ہی کچھ اور تھی۔ آپ نے اپنے ابتدائی سوالات میرے پاس بھیجنے کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے علماء کے پاس بھی اس امید پر بھیجے تھے کہ ان سے مختلف جوابات حاصل ہونگے۔ اور پھر ان کا مجموعہ شائع کر کے یہ پروپیگنڈہ کیا جاسکے گا کہ علماء سنت سنت تو کرتے ہیں مگر دوسرا عالم بھی سنت کے بارے میں ایک متفقہ رائے نہیں رکھتے۔“ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۷۷ء)

کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو میری اس ”سکیم“ کا علم کیسے ہوا؟ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے کہ میری نیت وہی تھی جسے آپ میری طرف منسوب کر رہے ہیں؟

حرف ضبط تحریر میں لے آئے ہیں۔ یہ کام بڑی صبرانہ مشقت کا طالب تھا جسے یہ اس

حسن مسرت سے سرانجام دے رہے ہیں۔ (طلوع اسلام۔ مئی۔ جون ۱۹۷۷ء۔ صفحہ ۲۵)۔

اب اگر ڈاکٹر صاحب یہ فرماتے ہیں کہ میں بزم طلوع اسلام کا ابتدائی رکن بھی نہیں ہوں تو یہ ایسی سی بات ہے جیسے گاندھی جی فرماتے تھے کہ میں کانگریس کا مآلے والا ممبر بھی نہیں ہوں۔ ہر شخص جو طلوع اسلام کی تبلیغ سے واقف ہے اس مراسلت کو پڑھ کر خود ہی دیکھ سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی زبان سے طلوع اسلام ہی بول رہا ہے یا کوئی اور۔

لے آدمی کی نیت کا براہ راست علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ البتہ انسان جس چیز سے کسی شخص کی نیت کا اندازہ کر سکتا ہے وہ ان لوگوں کا مجموعی طرز عمل ہے جن

بیشک میں نے ان سوالات کو متعدد حضرات کے پاس بھیجا تھا اس لیے کہ میرے نزدیک یہ مسائل اتنے اہم تھے کہ میں ان کے متعلق ہر گوشے سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں یہی کوشش اب بھی جاری رکھوں گا کہ دوسرے علماء سے اپنے سوالات کا جواب لوں۔ گوئیں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے صاحب میں اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں ہوتی کہ وہ میرے سوالات کو شائع ہی کر دے خواہ اس کے بعد جوابات ایسے ہی بے تکلف جیسے آپ نے دیئے ہیں۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آئین کمیشن کو جو متفقہ جواب نامہ بھیجا گیا تھا اس کے مصنف آپ تھے۔ اور باقی سب جی حضور یسے تھے۔

کیا سنت رسولؐ کے مفہوم و معنی میں | باقی رہی یہ حقیقت کہ سنت کے بارے میں آپ حضرات علماء کے درمیان اختلاف ہے؟ | کوئی متفقہ رائے نہیں رکھتے تو یہ کونسی ایسی بات تھی جس کے لیے مجھے مختلف علماء کی آراء دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی۔ ان کی آراء لوگوں کے سامنے ہیں۔ اور ان کے اختلاف سے بھی دنیا واقف ہے مثال کے طور پر آپ بھی سنت کے بہت بڑے مدعی ہیں اور جماعت اہل حدیث کا تو مسلک ہی یہی ہے۔ لیکن سنت کی تفاسیل تو کجا۔ سنت کسے کہتے ہیں؟ اس کے متعلق جمعیت اہل حدیث کے ناظم کا ارشاد یہ ہے:

”میری رائے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے نظریات نہ صرف مسلک

اہل حدیث کے خلاف ہیں بلکہ یہ نظریات تمام ائمہ اہل حدیث کے خلاف ہیں۔ اور ان

میں آج کے جدید اعتزال اور تحجیم کے جراثیم منہی ہیں۔“ (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث)

کے ساتھ مل کر وہ کام کر رہا ہو۔ ڈاکٹر صاحب مخالفین سنت کے جس گروہ سے تعاون کر رہے ہیں وہ ایڑی

چوڑی کا زور یہ ثابت کرنے کے لیے لگا رہا ہے کہ سنت ایک مثبت اور مختلف فیہ چیز ہے۔ اس غرض کے لیے

جس طرز کا پروفیکینڈ ان لوگوں کی طرف سے ہو رہا ہے اس پر طلوع اسلام کے صفحات اور اس ادارے

کی مطبوعات شاہد ہیں۔ ان کاموں کو دیکھ کر یہ رائے مشکل ہی قائم کی جاسکتی ہے کہ اسی گروہ کے ایک ممتاز فرد

جناب ڈاکٹر عبدالودود صاحب کی طرف سے بھیجا گیا تھا وہ خاص علمی تحقیق کی خاطر تھا۔